153
لڑکی کا چہرہ
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید
اشتیاق احمد

محمود فاروق فرزانہ اور انسپکٹر جمشید
153
لڑکی کا چہرہ
اشتیاق احمد

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے ان فرائض سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

خادم:

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم!

ہمارا ملک بھی عجیب ہے، یہاں کی ہر چیز عجیب ہے — لوگ بھی عجیب ہیں، محکمے بھی عجیب ہیں — پچھلے دنوں میں نے پوری طرح غور کر کے یہ بات جاننا چاہی کہ کوئی ایک محکمہ تو ایسا نظر آ جائے جس میں رشوت نہیں لی جاتی، لیکن سر توڑ کوشش کے باوجود میں ایسے محکمے کا نام ذہن میں نہیں لا سکا — اور لاتا بھی کیسے — سر تو ٹوٹ ہی گیا تھا — ٹوٹے سر میں یہ بات کیسے آتی — لیکن آپ کے سر تو سلامت ہیں اور جوتوں کا بھی ڈر نہیں — ذرا آپ ہی میری مدد کریں — اور سوچ کر بتا دیں کہ فلاں محکمہ ایسا ہے — میں ان ناولوں میں اس محکمے کو خراجِ تحسین پیش کروں گا — گویا کم از کم ایک محکمے

کا سوال ہے بابا —

ایسا سوچنے کی ضرورت خاص طور پر اس لیے پیش آئی کہ ان دنوں انکم ٹیکس اور پولیس کے محکمے کے اندازِ کار جاننے کا موقع ملا — اور بڑی حیرت ہوئی — بے چاری گورنمنٹ کو ٹیکس کی صورت میں جو آمدنی ہوتی ہے — اس سے کئی گنا محکمے والوں اور انکم ٹیکس کے وکلا کو نصیب ہوتی ہے — ضرورت ہے ایسے نظام کی جس میں ٹیکس صرف گورنمنٹ کی جیب میں جائے — ان لوگوں کے وارے نیارے نہ ہوں — پولیس کے انداز آئندہ !

اپنا کام کرو

ظہور کان پکڑے ہوئے تھا، اس کی بیوی سلمٰی اس کی کمر پر سوار تھی اور اس کے وزن کی وجہ سے ظہور کے پاؤں اِدھر اُدھر ڈول رہے تھے — ایسے میں خان رحمان کہہ رہے تھے :

"خبردار — اگر تم نے سلمٰی کو گرا دیا تو سزا کا وقت دوگنا کر دیا جائے گا۔"

"ہاں — لیکن جناب — یہ کہتے ہوئے تو آپ کو پورے پانچ منٹ ہو گئے۔" ظہور نے بھنّا کر کہا۔

"تب پھر — اس سے کیا؟" خان رحمان حیران رہ گئے۔

"سزا آپ نے کُل دس منٹ کی دی ہے، پانچ منٹ اس میں سے گزر بھی چکے — اب سزا دوگنا کس حساب سے کریں گے؟"

"سلمٰی کو گرا کر دیکھ لو — پتا چل جائے گا — مَیں سزا کو

کس طرح دوگنا کرتا ہوں۔"

"سلمیٰ کو گرا کر میں دوگنا کی بجائے تین گنا مصیبت میں مبتلا ہو جاؤں گا۔"

"وہ کیسے؟" خان رحمان چونکے۔

"تین دن تک اس کو منانا پڑے گا۔" اس نے جل کر کہا اور خان رحمان کے ساتھ حامد، سرور، ناز اور شہناز بیگم بھی ہنس دیں۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ خان رحمان چونک کر فون کی طرف بڑھے۔ ریسیور اٹھاتے ہوئے انھوں نے ظہور سے کہا:

"خبردار۔ ایک سیکنڈ کے لیے بھی کانوں پر سے ہاتھ نہ ہٹانا۔"

"جی کیا فرمایا انکل؟" دوسری طرف سے فاروق کی حیرت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

"اوہ فاروق تم ہو۔"

"جی ہاں! میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں ہی ہوں۔"

"چلو اچھا ہی ہے۔ فوراً میرے ہاں پہنچ جاؤ۔"

"جی۔ وہ کیوں۔ خیریت تو ہے؟"

"آج گھر میں عجیب نظارہ دیکھنے میں آئے گا۔"

"وضاحت نہیں کریں گے انکل؟" اس نے کہا۔

"نہیں! یہیں آ کر دیکھ لو۔"

"بہت بہتر۔ ہم آ جاتے ہیں۔"

"ارے مگر۔ تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ فون کس لیے کیا تھا؟"

"جی بس ایسے ہی۔ تینوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے، سوچا، آپ کو فون ہی کر لیں۔"

"لیکن تمھیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" خان رحمان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"جی۔ کیسا کرنے کی؟"

"بھئی یہی۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے کی۔"

"بس انکل کیا بتائیں۔ کبھی کبھار تو کام ختم ہو ہی جاتے ہیں، لیکن بس ایک آدھ گھنٹے کے لیے۔"

"ہوں! خیر۔ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے کہ تم اس وقت فارغ ہو اور یہاں آسانی سے آ جاؤ گے۔"

"بہت بہتر انکل۔ ہم آ رہے ہیں۔"

ریسیور رکھ کر خان رحمان ظہور کی طرف مڑے:

"تو بھئی۔ تمھاری سزا تو کئی گنا بڑھ گئی۔ بہت ترقی ہو رہی ہے۔"

"جی کیا مطلب؟" ظہور نے بوکھلا کر کہا اور سلمیٰ بیگم گرتے
گرتے بچی:
"سنبھل کر۔ آپ کے اوپر میں بھی بیٹھی ہوں۔"
"اوہ ہاں۔ یاد آیا۔" ظہور نے جلدی سے کہا۔
"سزا اس طرح بڑھ گئی کہ محمود، فاروق اور فرزانہ یہاں آ
رہے ہیں۔ میں یہ منظر ان کو بھی دکھانا چاہتا ہوں۔"
"لیکن جناب۔ یہ تو ظلم ہوگا۔"
"ظلم کیسے؟" انھوں نے پوچھا۔
"آپ نے مجھے صرف دس منٹ کی سزا دی تھی۔ جس میں
سے سات منٹ کے قریب گزر بھی چکے ہیں۔ گویا تین
منٹ بعد سزا ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد آپ کس قانون
کے تحت میری سزا جاری رکھ سکیں گے؟"
"ایڈوانس بکنگ کے قانون کے تحت۔"
"جی۔ میں سمجھا نہیں۔ ایڈوانس بکنگ تو سینماؤں میں
ہوتی ہے۔ یا ریل گاڑیوں اور جہاز کی سیٹوں کی ہوتی ہے۔"
"لیکن آج تمھاری سزا کی ایڈوانس بکنگ ہوگی۔ مطلب
یہ کہ آیندہ زندگی میں تم آخر میرا کوئی سوٹ تو جلاؤ گے۔
سلمیٰ ہانڈی بھی ضرور جلائے گی۔ لہٰذا آیندہ کی سزا بھی میں
آج ہی دے دیتا ہوں۔ کیا خیال ہے؟"

"آپ یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میں آیندہ بھی
سوٹ جلاؤں گا، سلمیٰ ہانڈی جلائے گی۔" ظہور نے بُرا
مان کر کہا۔
"اس میں یقین سے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو
تمھارا کام ہے۔" وہ بولے۔
"لیکن اس کی ایک ترکیب اور بھی تو ہو سکتی ہے۔" سلمیٰ نے
کچھ سوچ کر کہا۔
"تم پر فرزانہ کی صحبت کا تو اثر نہیں ہو گیا؟" خان رحمان
نے اسے گھورا۔
"جی کیا مطلب۔ یہاں فرزانہ کی صحبت کا کیا ذکر۔"
"ذکر تو فرزانہ کی کسی چیز کا بھی کیا جا سکتا ہے۔ میرا
مطلب تھا، ترکیبیں بتانے کی ماہر تو وہ ہے نا۔"
"یہ تو ایک عام سی ترکیب ہے خان صاحب۔" سلمیٰ
جلدی سے بولی۔
"خیر بتاؤ۔"
"آپ اسی وقت ان کے کان چھڑا دیں۔ جب محمود، فاروق
اور فرزانہ صاحبان آ کر گھنٹی بجائیں تو کان پکڑوا دیں۔"
"واقعی ترکیب تو یہ بھی اچھی ہے۔" انھوں نے خوش
ہو کر کہا۔

"تو پھر - کیا مجھے اجازت ہے۔" ظہور جلدی سے بولا۔

"ہاں ٹھیک ہے - کان چھوڑ دو اور ان لوگوں کے لیے کچھ تیار کر لو۔"

"جی بہتر!" ظہور نے کہا اور یک دم کھڑا ہو گیا - سلمیٰ دھڑام سے گری۔

"ہائے مر گئی۔" وہ چلائی۔

"یہ کیا کیا؟" خان رحمان نے چیخ کر کہا۔

"اوہ - مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ پہلے سلمیٰ کو اترنا چاہ…" ظہور بولا۔

"اور یہ خیال بالکل اس طرح نہیں رہا ہوگا جس طرح سوٹ پر استری کرتے وقت تمہیں خیال نہیں رہتا۔"

"ج ج - جی ہاں! یہ تو ہے۔"

بیس منٹ بعد گھنٹی بجی تو خان رحمان چلا اٹھے:

"چلو ظہور - پکڑ لو کان - سلمیٰ چڑھ جاؤ ظہور کی کمر پر۔"

"اب تو میں نہیں چڑھوں گی - پہلے ہی ریڑھ کی ہڈی دکھ رہی ہے۔"

"اچھا خیر - تم رہنے دو - میں حامد کو بٹھا دیتا ہوں" وہ مسکرائے۔

"جی ابا جان - مجھے تو معافی دیں۔"

"معافی کس بات کی مانگ رہے ہو - تم نے کیا کیا ہے؟"

وہ بولے - پھر کہا:

"اچھا ٹھہرو - ظہور تم اکیلے ہی کان پکڑ لو - میں دروازہ کھولتا ہوں جا کر۔"

"تو دروازہ میں کیوں نہ کھول دوں۔" ظہور بولا۔

"تم اپنا کام کرو۔" وہ بولے اور جلدی سے دروازے کی طرف چلے گئے۔ دروازہ کھولتے ہوئے انھوں نے کہا:

"آجاؤ بھئی - ہم تم لوگوں کا ہی انتظار کر رہے تھے، ارے -"

جملہ کہنے کے بعد وہ چونک اٹھے، کیوں کہ دروازے پر محمود، فاروق اور فرزانہ نہیں تھے - دو عورتیں کھڑی تھیں - ایک جوان اور دوسری بوڑھی -

☆

"کیا فرمایا آپ نے - آپ ہمارا انتظار کر رہے تھے - یہ کس قدر غلط بات کہی - آپ نے۔" بوڑھی عورت نے کہا۔

"ہاں محترمہ - مجھے بہت افسوس ہے، لیکن جملہ آپ کے

لیے نہیں تھا۔ میرے کچھ عزیز آنے والے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔" وہ بولی۔

"فرمائیے۔ کیسے آنا ہوا۔ آپ لوگ کون ہیں؟" خان رحمان نے پوچھا۔

"دروازے پر کھڑے رہ کر تو بات کرنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ اندر آ جائیں۔"

وہ انھیں لے کر صحن میں آ گئے۔ یہاں ظہور مرغا بنا کھڑا تھا:

"ارے! یہ کیا!!" دونوں عورتوں کے منہ سے نکلا۔

"ہائیں۔ یہ محمود، فاروق اور فرزانہ صاحبان کی آوازیں بدل گئیں کیا۔"

"یہ کون ہیں ابا جان؟" سرور نے پوچھا۔

"تم۔ میں سمجھ گیا۔" ظہور جلدی سے بولا۔

"کیا سمجھ گئے تم؟" خان رحمان نے اسے گھورا۔

"محمود اور فاروق صاحبان میک اپ میں آئے ہیں۔"

"کیا بکواس ہے۔ ان کے جسم اتنے لمبے چوڑے نہیں ہیں۔ یہ دو عدد عورتیں ہیں اور کسی کام سے آئی ہیں۔ میں ان سے بات کر کے آتا ہوں۔"

"اور۔ اور۔ ہم۔ ہیں۔"

"تم بدستور کان پکڑے رہو۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بس آیا ہی چاہتے ہیں۔"

"جی بہتر، لیکن مجھے ان کے لیے دروازہ بھی تو کھولنا ہوگا۔"

"فکر نہ کرو۔ یہ کام حامد کر لے گا۔"

انھوں نے قدم اٹھائے ہی تھے کہ گھنٹی پھر بجی:

"لیجیے۔ وہ آ ہی گئے۔"

"جاؤ حامد۔ انھیں لے آؤ۔ آپ یہیں تشریف رکھیں۔ ہم ابھی الگ کمرے میں چل کر بات کرتے ہیں۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"اچھی بات ہے۔" عورت بولی۔

حامد دروازے کی طرف چلا گیا۔ واپس آیا تو محمود، فاروق اور فرزانہ ان کے ساتھ تھے:

"اوہو۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ آج پھر انکل ظہور کان پکڑے ہوئے ہیں۔"

"ہاں! آج پھر اس نے میرا سوٹ جلا دیا۔"

"اوہ! یہ جان کر افسوس ہوا، لیکن انکل۔ دنیا کی چیزوں کے نقصان پر کیا جانا۔ اصل نقصان تو آخرت کا نقصان

ہے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"محمود۔ تت۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔" خان رحمان ہکلائے،
پھر جلدی سے بولے:

"ظہور۔ فوراً کان چھوڑ دو۔ خبردار۔ ایک سیکنڈ کی بھی دیر
نہ لگانا۔"

"جی۔ یہ کیا فرما رہے ہیں آپ۔ ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہ
لگاؤں۔" ظہور نے کان چھوڑے بغیر کہا۔

"اور تم دیر لگا چکے ہو۔ اس طرح تم اپنی سزا میں
اضافہ کراؤ گے۔" خان رحمان غرائے۔

"عجیب مصیبت ہے۔ خیر یہ لیجیے۔ چھوڑ دیے کان۔"

"اور اب مجھے معاف کر دو۔"

"ہائیں۔ آپ اور مجھ سے معافی۔ ارے باپ رے"
ظہور نے کانپ کر کہا۔

"جلدی سے معاف کر دو بھئی۔ دیکھو ادھر یہ خواتین
بیٹھی ہیں۔"

"اچھ۔ چھا۔ معاف کیا۔" اس نے ہکلا کر کہا۔

"شکریہ۔ آئیے میرے ساتھ۔" خان رحمان نے عورتوں
سے کہا، پھر ان کی طرف مڑے:

"تم لوگ بیٹھو۔ ان کے ساتھ باتیں کرو۔ میں ذرا ا

ے فارغ ہو لوں، پھر باتیں کریں گے۔"

"ان کا کیا معاملہ ہے انکل؟" فرزانہ نے قدرے حیران ہو
کر کہا۔

"پتا نہیں۔ مجھ سے ملنے آئی ہیں۔ کیوں آئی ہیں۔ ابھی
معلوم نہیں کر سکا۔"

"ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں۔"

"ہاں آ جاؤ۔ کوئی حرج نہیں۔"

وہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے:

"ہاں جی۔ اب بتائیے۔ کیا بات ہے؟"

"مجھے اپنی بچی کی شادی کرنی ہے اور میں بہت تنگ دست
ہوں۔ کسی نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔" بوڑھی عورت
نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اوہ اچھا۔ کتنے پیسوں کی ضرورت ہے؟"

"لڑکے والے جہیز کے بغیر شادی کرنے پر تیار نہیں،
کچھ نہ کچھ جہیز تو دینا ہو گا، لیکن میرے پاس کچھ
بھی نہیں ہے۔"

"آپ کہاں رہتی ہیں؟" محمود نے پوچھا۔

"شکور پورہ میں۔ لیکن اللہ کے لیے کسی کو یہ نہ بتائیے
گا کہ ہم نے مدد کی ہے۔ لوگ ہمارے بارے میں کیا کہیں گے۔"

بوڑھی نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کو دس ہزار روپے دیتا ہوں۔ کام چل جائے گا۔"

"جی۔ جی ہاں۔ گزارا ہو جائے گا۔"

"انکل۔ کچھ ہمیں بھی تو حصّہ لے لینے دیں۔" محمود بول اُٹھا۔

"ضرور کیوں نہیں۔" خان رحمان خوش ہو کر بولے۔

"تو پھر۔ میں ابّا جان کو فون کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر محمود اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور فون کی طرف چلا گیا۔ اس نے نمبر ملائے اور سلسلہ ملنے کے بعد بولا:

"ابّا جان۔ دو ضرورت مند خواتین انکل خان رحمان کے ہاں موجود ہیں۔ ہم بھی یہیں آئے ہوئے ہیں۔ بیٹی کی شادی کا مسئلہ ہے۔ انکل ان کو دس ہزار روپے دے رہے ہیں۔ میرا خیال ہے، اس نیک کام میں ہمیں بھی شامل ہو جانا چاہیے۔"

"اچھا خیال ہے۔ دس ہزار ہم دے دیتے ہیں۔"

"رقم لے کر آپ آ رہے ہیں یا ہم گھر سے لے آئیں جا کر۔ یا انکل سے لے کر دے دیں۔"

"نہیں۔ میں لے کر آ رہا ہوں۔" وہ بولے۔

"شکریہ ابّا جان!" محمود نے خوش ہو کر کہا اور ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑا:

"ابّا جان بھی دس ہزار روپے لے کر آ رہے ہیں۔"

"لیجیے محترمہ۔ اب تو آپ کا کام بخوبی ہو جائے گا۔" خان رحمان بولے۔

"جی۔ جی ہاں۔ بالکل۔" اس نے فوراً کہا۔

"لیکن انکل۔ یہ تو انکل کے ساتھ بہت زیادتی ہو گی۔" فاروق بول اُٹھا۔

"انکل۔ انکل کے ساتھ زیادتی ہو گی۔ یہ کیا بات ہوئی فاروق؟" خان رحمان حیران رہ گئے۔

"اس لیے کہ ہمارے ایک انکل اور بھی ہیں نا۔ پروفیسر انکل۔ کیا یہ ان کے ساتھ زیادتی نہیں ہو گی؟" فاروق نے کہا۔

"اوہ۔ گویا تم اس نیک کام میں ان کو بھی شریک کرنا چاہتے ہو۔"

"جی ہاں! کیا حرج ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ کرو انہیں بھی فون۔"

محمود ایک بار پھر فون کی طرف بڑھ گیا۔ ایسے میں فرزانہ بھی اُٹھی اور ڈرائنگ روم سے باہر کی طرف چلی۔

فاروق کی نظر اس پر پڑی۔

"کیوں۔ تم کہاں چلیں؟"

"میں۔ حامد، سرور اور ناز سے مشورہ کرنے جا رہی ہوں" فرزانہ نے کہا۔

"کیسا مشورہ؟"

"ہمیں بھی اپنے جیب خرچ سے کچھ کرنا چاہیے۔"

"اوہ۔ اچھا خیال ہے۔ چلو۔ میں بھی چلتا ہوں۔" فاروق نے کہا۔

دونوں کمرے سے نکل گئے۔ اسی وقت فون پر سلسلہ مل گیا:

"ہیلو انکل۔ محمود بول رہا ہوں۔"

"ہائیں۔ محمود۔ یہ تم ہو۔ خیر تو ہے۔"

"آپ ایک نیک کام کرنا چاہتے ہیں؟"

"بھئی ایک نیک کام کیا۔ میں تو سو نیک کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ دیکھو نا۔ موت کسی وقت بھی آسکتی ہے۔ کیوں نہ اس کی آمد سے پہلے پہلے نیکیوں کا ذخیرہ کر لیا جائے۔"

"بہت ہی نیک خیال ہے انکل۔ تو پھر دس ہزار روپے لے کر آپ بھی یہیں آ جائیں۔"

"میں بھی سے کیا مطلب۔ اور کہاں آ جاؤں؟"

"ہم اس وقت انکل خان رحمان کے ہاں سے بول رہے ہیں۔ ابا جان بھی یہیں آنے والے ہیں۔ وہ بھی دس ہزار روپے لے کر آ رہے ہیں۔ اور اگر شائستہ بھی اپنی جیب سے کسی غریب کی مدد کرنا پسند کرے تو وہ بھی آپ کے ساتھ آ سکتی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ ہم آ رہے ہیں۔"

پندرہ منٹ بعد دروازے کی گھنٹی بجی اور انسپکٹر جمشید آتے نظر آئے، پھر پانچ منٹ بعد گھنٹی بجی اور پروفیسر داؤد شائستہ سمیت آ گئے۔

اب سب ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے۔ دس دس ہزار کے تین پیکٹوں کے علاوہ ایک ایک ہزار روپے چھوٹوں نے بھی میز پر ڈھیر کر دیے۔

"لیجیے محترمہ۔ اب تو آپ کا کام بہت اچھے طریقے سے ہو جائے گا۔"

"جی۔ جی ہاں! آپ لوگوں نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا، میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک ہی گھر سے ہمارا کام پورا ہو جائے گا۔"

اس نے دوپٹہ پھیلا کر نوٹوں کے پیکٹ اس میں

رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس سے پہلے کہ آپ یہاں سے رخصت ہوں ۔ آپ کو اپنا نام اور پتا بتانا ہو گا ۔ میں آدھ گھنٹے کے اندر اندر اس بات کی تصدیق کر سکوں گا کہ آیا آپ واقعی وہاں رہتی ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ج ۔ جی ۔ کیا مطلب؟" دونوں عورتیں چونک اٹھیں۔

"میرا خیال ہے ۔ میں نے بہت ہی آسان الفاظ میں بات کی ہے۔"

"جی ہاں! ٹھیک ہے ۔ ہم شکور پورہ میں رہتے ہیں ۔ مکان نمبر ۱۵۹ ہے۔"

"شکریہ!" وہ بولے اور پھر فون کی طرف چلے گئے ۔ فون پر کسی کو ہدایات دینے کے بعد پھر اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گئے۔

کمرے کی فضا اب بوجھل سی محسوس ہونے لگی تھی ۔ ایسے میں خان رحمان بولے:

"میرا خیال ہے ۔ جمشید ۔ اس کی ضرورت نہیں تھی۔"

"کیوں خان رحمان ۔ اگر ہم تصدیق کر لیں تو اس میں کیا حرج ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ٹھیک ہے ۔ کوئی حرج نہیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

اچانک فرزانہ ناز کے کان پر جھکی اور کچھ کہنے لگی ۔ ناز نے سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرا خیال ہے ۔ ہم لوگ ضرورت سے کچھ زیادہ خاموش اور سنجیدہ ہو گئے ہیں ۔ جب کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مم ۔ میں گھبراہٹ محسوس کر رہی ہوں۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" ان کے منہ سے نکلا۔

"کوئی بات رہ رہ کر مجھے یاد آ رہی ہے ، لیکن وہ کیا بات ہے ۔ میں نہیں جانتی۔"

"یہ کیا بات ہوئی ۔ بے کوئی تک۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بے تکی بات ہے ، لیکن پھر بھی بات تو ہے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"تمہارے نزدیک ہو گی بات ۔ ہمارے نزدیک تو یہ بات بے بات سی ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"فاروق ۔ ہر بات کو مذاق میں نہ تولا کرو۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"میں باتوں کو تولنے کا ویسے بھی عادی نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"حالاں کہ بزرگوں کا قول ہے۔ پہلے تولو۔ پھر بولو۔" محمود مسکرایا۔

"یہ غور کرنے کے معنوں میں ہے۔"

اسی وقت ناز اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک جدید کیمرہ تھا:

"ارے واہ بھئی ناز۔ خوب۔ موقعے پر کیمرہ لائی ہو۔ ذرا میری ایک عدد تصویر تو لے لو۔" فرزانہ نے چہک کر کہا۔

"لیجیے۔ ابھی یہ گھبراہٹ محسوس کر رہی تھیں۔ اور اب لگیں چہکنے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیمرہ دیکھ کر چہکی ہوں۔ تم سے باتیں کر کے نہیں۔" اس نے کہا۔

ادھر ناز فرزانہ کا پوز لینے لگی، پھر اس نے منہ بنا کر کہا:

"نہیں بھئی۔ اس جگہ سے تصویر صاف نہیں آ رہی۔ تم ذرا اٹھ کر ادھر آ جاؤ۔"

"اچھا۔" فرزانہ نے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہاں ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔

"نہیں۔ اور ادھر۔ ہاں بس۔ ٹھیک ہے۔"

ناز نے کہا اور پھر تصویر لے لی:

"کیا خیال ہے۔ ایک دو پوز اور لے لوں۔"

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

ناز نے دو پوز اور لیے۔ اور اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ انسپکٹر جمشید فون کی طرف بڑھے اور ریسیور اٹھا کر بولے:

"ہاں بھئی۔ کیا رپورٹ ہے۔ اوہ اچھا۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

پھر وہ دونوں عورتوں کی طرف مڑے تو ان کا انداز عجیب سا تھا۔

دو چہرے

"خیر تو ہے جمشید۔ کیا کوئی غلط رپورٹ ملی ہے؟" خان رحمان بے چین ہو کر بولے۔

"نہیں۔ رپورٹ غلط نہیں ملی"۔

"تو پھر۔ تم ان کو گھور کیوں رہے ہو؟"

"اس لیے کہ میرا اندازہ غلط ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ ان کے بارے میں غلط رپورٹ ملے گی، لیکن رپورٹ کے مطابق یہ واقعی غریب ہیں اور شادی کا مسئلہ درپیش ہے۔"

"تب تو ہم نے واقعی ایک نیک کام کیا ہے۔"

"ہاں! اب آپ جا سکتی ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اللہ آپ لوگوں کو خوش رکھے۔"

دونوں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ چھوٹی پارٹی انھیں دروازے تک چھوڑنے گئی۔ رخصت کرنے کے بعد دروازہ بند کر کے وہ لوٹے تو فرزانہ نے کہا:

"ہاں بھئی ناز۔ تصویریں کتنی دیر میں مل جائیں گی؟"

"صرف چند منٹ میں۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔ تم تصویریں تیار کر لو۔"

"یہ اس وقت تمھیں تصویروں کی کیا سوجھی تھی؟" فاروق نے بھناتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمھارے خیال میں مجھے اور کس چیز کی سوجھنی چاہیے تھی۔" فرزانہ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"کم از کم تصویروں کی نہیں سوجھنی چاہیے تھی۔" فاروق کو طیش آ گیا۔

"لڑ نہ پڑنا اتنی سی بات پر۔" محمود مسکرایا۔

"میرا خیال ہے۔ بڑوں سے فیصلہ کرا لیا جائے۔" فاروق نے نرم پڑتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ بڑوں سے رائے لے لی جائے کہ اس موقعے پر تصویروں کی ضرورت تھی یا نہیں۔"

"ضرورت تو کوئی نہیں تھی۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں! میں بھی فاروق کی حمایت کرتا ہوں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" شہناز بیگم بولیں۔

"ابا جان - آپ نے رائے نہیں دی۔" محمود نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"میں - سوچ رہا ہوں - اگر فرزانہ نے تصویریں کھنچوائی ہیں تو کچھ سوچ کر ہی کھنچوائی ہوں گی۔" وہ مسکرائے۔

"یہ ٹھیک ہے ابا جان - کوئی بات میرے ذہن میں ہل چل سی مچائے ہوئے تھی - کوئی بات رہ رہ کر مجھے یاد آنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن یاد نہیں آ رہی تھی - میں نے سوچا - کیوں نہ تصویریں لے لی جائیں، تاکہ ان کو سامنے رکھ کر بعد میں وہ بات یاد کرنے کی کوشش کی جا سکے۔"

"ہوں - اگر یہ بات ہے تو پھر تصویریں کھنچوا کر تم نے کچھ برا نہیں کیا۔" انسپکٹر جمشید نے اپنا فیصلہ سنایا۔

"شکریہ ابا جان۔" فرزانہ خوش ہو گئی - فاروق کا منہ بن گیا - اس نے کہا:

"لیکن ایسی کوئی بات تمہیں یاد نہیں آئے گی - تمہیں ضرور وہم ہو گیا ہے - ابا جان پہلے ہی تصدیق کر چکے ہیں۔"

"ہاں! میں جانتی ہوں۔" فرزانہ نے کندھے اچکائے۔

"میرا خیال ہے - ہم صحن میں چل کر بیٹھتے ہیں - ابھی ظہور

کا بھی فیصلہ کرنا ہے۔" خان رحمان بولے۔

"جی میرا فیصلہ - کیا ابھی کوئی کسر رہ گئی ہے۔" ظہور نے گھبرا کر کہا۔

"کسر یہ رہ گئی ہے کہ ان لوگوں کے سامنے تو تم نے کان پکڑے ہی نہیں۔"

"تت - تو کیا آپ لوگ مجھے کان پکڑے ہوئے دیکھنا پسند کرتے ہیں۔" ظہور ان کی طرف مڑا - چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے۔

"نہیں بھئی - یہ شوق خان رحمان کو ہی مبارک ہو - ہم تو تمہیں معاف کرنے کی سفارش کریں گے ان سے۔"

"دھت تیرے کی - ایک تو اس کے سفارشی بہت ہیں۔" خان رحمان نے جھنّا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"ہائیں انکل - آپ میں - آپ میں محمود کی روح تو حلول نہیں کر گئی۔"

"ارے باپ رے۔" خان رحمان بوکھلا اٹھے۔

"ان میں تو نہیں - تم میں ضرور میری روح حلول ہو کر رہے گی - اور پھر دیکھنا - تمہاری ران کا کیا حال ہوتا ہے۔"

"اپنی ران کی شامت لانے کی ضرورت ہی کیا ہے -

تم میرے ساتھ ہی تو بیٹھے ہو۔"

اسی وقت ناز اندر داخل ہوئی۔ تین تصویریں اس نے ان کے سامنے میز پر رکھ دیں۔ ان تصویروں کو دیکھ کر وہ سب کے سب چونک اٹھے:

"ارے! یہ کیا۔ یہ تصویریں تو۔ ان دونوں عورتوں کی ہیں۔"

★

"ہاں! میں نے ان کی تصویریں اتارنے کی ہی ہدایت کی تھی ناز کو۔ اپنی تصویر اتروانے کا تو محض بہانا تھا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اوہ!" فاروق دھک سے رہ گیا۔ اس کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار طاری ہوگئے، پھر اس نے کہا:

"تب تو فرزانہ۔ تم مجھے معاف کر دو۔ میں تمہیں بلاوجہ ہی گھسیٹ رہا تھا۔"

"نن۔ نہیں تو۔ تم نے مجھے گھسیٹا تو نہیں تھا۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"لیکن بھئی۔ ان دونوں عورتوں کی تصویریں لینے کی کیا

ضرورت تھی؟" خان رحمان بولے۔

"اس لیے کہ وہ بات جو مجھے رہ رہ کر یاد آنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کا تعلق ضرور ان دونوں یا ان میں سے ایک سے ہے۔ انھیں دیکھ کر ہی تو میں نے یہ محسوس کیا تھا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"تب تو تم ان تصاویر کو مسلسل دیکھتی رہو۔ اس وقت تک دیکھتی رہو۔ جب تک کہ وہ بات یاد نہیں آجاتی۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"ضرور کیوں نہیں۔ بے کار بیٹھنا تمہیں مبارک ہو۔" فرزانہ نے کہا اور تصویروں پر نظریں جما دیں۔

"لو بھئی۔ یہ تو گئی کام سے۔ اب ایک دو گھنٹے سے پہلے تو اس کی واپسی ہوگی نہیں۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"ہاں نہیں ہوگی واپسی۔ تم سے مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم ایک کمرے میں چل کر ذرا باتوں کی محفل جماتے ہیں۔ اس خاموش کام میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے۔"

"ضرور جاؤ۔ مجھے تمہارے ساتھ کی ضرورت بھی نہیں

ہے۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"کیوں دوستو ـ کیا پروگرام ہے؟" فاروق نے ان کی طرف دیکھا۔

"وُہی جو تمھارا۔" حامد بولا۔

"صرف ایک نے جواب دیا ہے ـ سب جواب دیں تو بات بھی ہے۔"

"ٹھیک ہے ـ ہم اس خاموش کام میں واقعی فرزانہ کا ساتھ نہیں دے سکتے۔" محمود نے کہا۔

"لیکن افسوس ـ مَیں تم لوگوں کا ساتھ نہیں دوں گی ـ فرزانہ کے ساتھ بیٹھوں گی۔" شائستہ بولی۔

"اور مَیں بھی۔" ناز نے فوراً کہا۔

"گویا لڑکیاں فرزانہ کا ساتھ دیں گی اور لڑکے میرا۔" فارُوق مُسکرایا۔

"اس طرح کیا خاک مزا آئے گا۔" محمود نے مُنہ بنایا۔

"تو پھر کیا کیا جائے؟"

"کیوں نہ ان تصویروں کو اغوا کر لیا جائے۔" فارُوق نے تجویز پیش کی۔

"کیا مطلب؟" شائستہ چونکی۔

"اگر ہم ان تصویروں کو اغوا کر لیں ـ تو پھر فرزانہ کو یہ

خاموش مہم انجام دینے کی ضرورت نہیں رہے گی ـ اس طرح ہم سب ایک ساتھ وقت گزار سکیں گے۔"

"لیکن میں ان تصویروں کو اغوا ہونے کیوں دوں گی۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"ختم کرو بھئی ـ میں فیصلہ کیے دیتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید ہاتھ اُٹھا کر بولے۔

"اس سے اچھی بات اور کیا ہو گی۔" شائستہ نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر سُنو! میرا فیصلہ یہ ہے کہ جب تک فرزانہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ جاتی ـ اس وقت تک ہم سب بالکل خاموش بیٹھے فرزانہ کی طرف متوجہ رہیں گے ـ اس طرح فرزانہ کو بھی اپنے ذہن کو جھنجوڑنا پڑے گا اور کیا خبر اسے یاد آ ہی جائے وُہ بات۔"

"اگر ایک گھنٹے تک فرزانہ کو کچھ یاد نہ آ سکا تو کیا ہم ایک گھنٹے تک اس کا مُنہ دیکھتے رہیں گے۔" خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! کیا حرج ہے۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے۔

"ایک منٹ ـ وُہ بات مجھے یاد آنے ہی والی ہے۔" فرزانہ چلّائی۔

"یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"بس۔ میرا دماغ کہہ رہا ہے۔"

"اللہ کرے۔ تمہارا دماغ سچ کہہ رہا ہو۔" فاروق نے دعا مانگی۔

"ٹھیک ہے۔ وہ مارا۔" فرزانہ زور سے اچھلی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"چلیے۔ مسئلہ حل ہو گیا۔" فاروق نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"گویا بات یاد آ گئی۔" حامد بولا۔

"ہاں! وہ مارا کا یہی مطلب بنتا ہے۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"کیوں فرزانہ۔ تم اب پھر کیوں چپ ہو گئیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ان کے خاموش ہونے کا انتظار کر رہی ہوں۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"تب یہ انتظار اتنا مختصر نہیں ہو گا۔" محمود مسکرایا۔

"بتاؤ فرزانہ۔ کیا بات تمہاری یادداشت نے باہر نکالی ہے؟"

"ہم چھے ماہ پہلے ایک دعوت میں گئے تھے۔ ایک سال گرہ میں۔ سال گرہ ایک لڑکی کی تھی۔ یاد کیجیے۔ اس لڑکی کا چہرہ۔"

"لڑکی کا چہرہ۔" ان کے منہ سے نکلا، پھر محمود نے چونک کر کہا:

"تمہارا اشارہ رئیس احمد خاکوانی کی طرف تو نہیں۔ جس کے ہاں ہم زندگی میں پہلی بار گئے تھے۔ وہ بھی ابا جان کے ایک دوست زبردستی لے گئے تھے۔"

"ہاں! تم ٹھیک سمجھے۔"

"واقعی۔ اس لڑکی کا چہرہ اس لڑکی سے بہت ملتا جلتا ہے۔"

"تب تو بات کچھ بھی نہ نکلی۔" خان رحمان نے منہ بنا کر کہا۔

"کیوں انکل۔ یہ آپ نے کیسے کہہ دیا۔" فرزانہ نے حیرت ظاہر کی۔

"بھئی دو لڑکیوں کے چہرے آپس میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھ سکتے ہیں۔ اس میں عجیب بات کیا ہے۔"

"لیکن انکل۔ آپ نے اس لڑکی کو نہیں دیکھا۔ ایسی مشابہت حیرت انگیز ہے۔"

"تو کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ وہی لڑکی اس عورت کے

ساتھ یہاں آئی تھی۔" پروفیسر داؤد نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں۔ رئیس احمد خاکوانی تو بہت دولت مند آدمی ہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے نفی میں سر ہلایا، پھر چونک کر اُٹھے اور فون کی طرف بڑھے:

"ٹھہرو۔ میں مسٹر خاکوانی کو فون کرتا ہوں۔"

انھوں نے ڈائریکٹری میں پہلے رئیس احمد خاکوانی کے نمبر تلاش کیے۔ پھر نمبر ملانے کے بعد بولے:

"ہیلو۔ کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"رئیس احمد خاکوانی۔" دوسری طرف سے بارعب آواز آئی۔

"میں انسپکٹر جمشید ہوں۔"

"اوہ انسپکٹر صاحب۔ آپ ہیں۔ غالباً میری بچی کی سال گرہ کے موقعے پر آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ آپ کی بچی کا کیا حال ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔ کیوں؟"

"ایسے ہی۔ ایک خیال آیا تھا۔ کیا ہم آپ سے ملاقات کرنے کے لیے آسکتے ہیں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"

"تو پھر ہم اسی وقت آ رہے ہیں۔ آپ لوگ کہیں جائیے گا نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

وہ کاروں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ اب سب کے سب بے چینی محسوس کر رہے تھے۔ آخر رئیس احمد خاکوانی کی کوٹھی کے سامنے وہ کاروں سے اُترے اور اندر کی طرف بڑھے۔ خاکوانی نے دروازے پر پہنچ کر ان کا استقبال کیا۔ ان کے ساتھ ان کی بیٹی بھی تھی۔ مارے حیرت کے ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔

اس عورت کے ساتھ آنے والی لڑکی میں اور اس لڑکی میں سرے سے کوئی فرق نہیں تھا۔

آؤ چلیں

ان سب کے چہروں پر حیرت کے آثار رئیس احمد اور اس کی بیٹی سے چھپے نہ رہ سکے:

"خیر تو ہے۔ آپ لوگ میری بچی کو اس طرح کیوں گھور رہے ہیں؟"

"کیا آپ بیٹھنے کے لیے نہیں کہیں گے؟"

"اوہ ہاں۔ آئیے۔ تشریف لائیے۔"

وہ سب ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے:

"آپ کی بچی کا کیا نام ہے؟"

"ریحانہ خاکوانی۔ بات کیا ہے؟"

"کیا ان کی کوئی بہن بھی ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ان کی بہن۔ نہیں تو۔ کیوں۔ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں آپ؟" انھوں نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ہمارا خیال ہے۔ ان کی ایک بہن ضرور ہے اور وہ بھی

جڑواں۔"

"نہیں انسپکٹر صاحب! یہ غلط ہے۔ آخر بات کیا ہے؟" خاکوانی نے بے چین ہو کر کہا۔

"آپ کے کُل کتنے بچے ہیں؟"

"بس ایک ہی بچی ہے۔ اس کی پیدائش کے تین سال بعد میری بیگم فوت ہو گئی تھیں۔"

"ہم کس طرح یقین کر لیں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"جی کیا مطلب۔ آپ کو کس بات پر یقین نہیں آ رہا؟" وہ چونکے۔

"یقین کی بھی ایک ہی کہی جناب۔ اس دور میں تو کسی بات پر بھی یقین نہیں آتا۔" فاروق بول اٹھا۔ انسپکٹر جمشید نے ناخوش گوار انداز میں اس کی طرف دیکھا، پھر بولے:

"اس بات پر یقین نہیں آ رہا کہ ان کی کوئی بہن نہیں ہے۔"

"آخر آپ کو یہ یقین کیوں نہیں آ رہا۔ یہ بھی تو بتائیے۔" خاکوانی نے کہا۔

"بتائے بغیر ہی کام چل جائے گا۔ یہ تصویریں ملاحظہ فرمائیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا اور تینوں تصویریں ان کے سامنے میز پر پھیلا دیں۔ دونوں کی نظریں جوں ہی ان

تصاویر پر پڑیں۔ وہ اُچھل ہی تو پڑے:

"ارے۔ یہ تو ریحانہ کی تصویریں ہیں۔"

"بے شک یہ میری تصاویر ہیں۔ لیکن۔ آپ دیکھ رہے ہیں کمرے کا منظر۔ یہ کمرہ تو ہماری کوٹھی کا نہیں ہے۔ آخر میں اس جگہ کس طرح پہنچ گئی۔ اُف مالک۔ یہ کیا معاملہ ہے؟"

"معاملہ بہت گول ہے۔ اتنا گول کہ بیان نہیں کیا جا سکتا" فاروق مُسکرایا۔

"جی۔ بیان نہیں کیا جا سکتا تو پھر بات کا پتا کس طرح چلے گا؟" ریحانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"بیان ہو سکتا ہے۔ آپ اس کی بات پر نہ جائیں۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"تو پھر بتائیے نا۔ کیا معاملہ ہے؟"

"یہ تصویریں یا تو آپ کی ہی ہیں۔ یا پھر آپ کی نہیں ہیں" فاروق جلدی سے بولا۔

"آپ بھی عجیب ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"کیا آپ کچھ دیر پہلے ایک بوڑھی عورت کے ساتھ ہمارے ہاں آئی تھیں؟"

"بالکل نہیں۔ اور اگر مجھے آپ کے ہاں جانا ہی تھا تو کسی بوڑھی عورت کے ساتھ کیوں جاتی۔ میرے ڈیڈی جو موجود

ہیں۔" ریحانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"تب تو ہمیں آپ کو ساری بات بتانا ہو گی۔ تاکہ بات آپ کی سمجھ میں آ سکے۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"یہی بہتر رہے گا۔" رئیس احمد خاکوانی بولے۔

اور انسپکٹر جمشید نے ساری تفصیل سُنا دی۔ ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں:

"اور۔ اور انھوں نے اپنا پتا کیا لکھوایا تھا؟"

"شکور پورہ۔ مکان نمبر ۹۱۵"

"تو پھر چلیے۔ ذرا ان لوگوں سے مل تو آئیں۔ جب یہ دونوں ایک دُوسرے کے نزدیک ہوں گی تو اسی وقت معلوم ہو جائے گا کہ ان میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔" رئیس احمد نے کہا۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

چند منٹ بعد وہ وہاں سے شکور پورہ روانہ ہوئے۔ مکان نمبر ۹۱۵ تلاش کرنے میں انھیں کوئی دقت نہ ہوئی۔ دستک کے جواب میں اسی بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا اور پھر انھیں دیکھ کر چونک اُٹھی:

"اوہو۔ انسپکٹر صاحب۔ آپ ہیں۔"

"ہاں! ہمیں افسوس ہے۔ آپ کو زحمت دے رہے ہیں۔"

"زحمت کیسی - آئیے۔" اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

وہ انھیں اندر لے آئی - صحن میں وہی لڑکی بیٹھی تھی - اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے :

"خیر تو ہے - ان کو کیا ہوا ؟"

"کک - کچھ نہیں - ہر لڑکی اپنی شادی کی بات پر رو پڑتی ہے - آخر اپنا گھر چھوڑنا پڑتا ہے نا۔"

"اوہ ہاں ! یہ ٹھیک ہے - آپ نے غور نہیں فرمایا - میرے ساتھ کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں اور ان میں ایک عدد لڑکی بھی ہے۔"

"کیا مطلب ؟" بوڑھی عورت چونک اٹھی۔

"ادھر دیکھیے۔" انسپکٹر جمشید بولے - عورت اور لڑکی نے ایک ساتھ ریحانہ کی طرف دیکھا - لڑکی زور سے اچھلی اور اس کی ماں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اُف - یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔" لڑکی نے کانپتی آواز میں کہا -

ادھر رئیس احمد خاکوانی اور ان کی بیٹی ریحانہ کا برا حال تھا - اس قدر غضب کی مشابہت تھی - دونوں میں کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی کوئی فرق نظر نہیں آ رہا تھا -

"یہ - یہ آپ کی بچی ہیں ؟" رئیس احمد خاکوانی کے منہ سے

کافی دیر کے بعد نکلا۔

"ہاں بالکل - اور کیا یہ آپ کی بچی ہیں ؟" بوڑھی عورت نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں۔" وہ بولے۔

"تب پھر - یہ آج کی دنیا کا ایک حیرت انگیز اتفاق ہی قرار دیا جائے گا۔" خان رحمان بولے -

"جی ہاں ! بات تو یہی ہے۔"

"محترمہ - آپ کا نام کیا ہے ؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی میں - میں چراغ بی بی ہوں۔"

"اور بچی کا نام ؟"

"رومانہ -" وہ بولی۔

"ان کے والد کہاں ہیں ؟"

"وہ اپنے دوستوں سے ملنے گئے ہیں - اس کی شادی کے سلسلے میں۔"

"اور ان کا نام ؟"

"خالد ایاز۔" چراغ بی بی نے بتایا -

"شکریہ - خاکوانی صاحب ! اب آپ کیا کہتے ہیں ؟"

"میں - میں کیا کہوں گا - بس حیران ہو رہا ہوں اور نہ جانے کب تک حیران ہوتا رہوں۔"

"تب تو کام بہت مشکل ہو جائے گا۔ خیر۔ جب آپ حیران ہونے سے فارغ ہو جائیں بتا دیں۔ تاکہ ہم آپ سے بات چیت کر سکیں۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"اوہ۔ بات چیت تو خیر اب بھی آپ مجھ سے کر سکتے ہیں۔"

"معلوم کرنے کی اب صرف ایک بات رہ گئی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"ان کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟"

"یہ بیس سال کی ہو گئی ہیں۔" چراغ بی بی بولی۔

"اور ریحانہ صاحبہ کی عمر کیا ہے خاکوانی صاحب؟"

"انیس سال چند مہینے۔"

"گویا عمر بھی ایک جتنی ہے۔ کمال ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"کیا دنیا میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔" چراغ بی بی بولی۔

"ممکن تو ہے ہمارا تو ایمان ہے۔ دنیا میں سبھی کچھ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تب پھر اس معاملے میں اس قدر حیرت کی ضرورت کیا ہے۔ یہ سب اس کے کام ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ اچھا۔ اب ہمیں اجازت دیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی بہتر۔" چراغ بی بی بولی۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھے۔ ایسے میں فرزانہ چلتے چلتے رک گئی۔ اس کی نظریں فرش پر جم گئیں۔

"کسی نے پاؤں جکڑ تو نہیں لیے تمہارے۔" فاروق بھنا اٹھا۔

"ہاں! ایک آواز نے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"آواز۔ کیا مطلب؟"

"میرے کانوں نے اندرونی کمرے سے آنے والی ایک مدھم سی آواز سنی ہے۔ محترمہ چراغ بی بی کہہ چکی ہیں کہ ان کے خاوند گھر میں نہیں ہیں۔ کیا گھر میں کوئی اور فرد بھی ہے؟"

"نہیں۔ یہاں ہم تین ہی رہتے ہیں۔ گھر میں دراصل چوہے بہت ہو گئے ہیں۔ آپ نے ان کی آواز سنی ہو گی۔"

"اوہ۔ چوہے۔ ایک تو یہ چوہے ہر جگہ ٹپک پڑتے ہیں، چوہے کہیں کے۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

اور پھر وہ گھر سے باہر نکل آئے۔ چراغ بی بی نے ان کے کاروں کی طرف بڑھنے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"اس گھر کا کوئی اور دروازہ ہے یا نہیں؟" فرزانہ بولی۔

"کیوں ۔ کیا ہوا؟"

"وہ آواز چوہوں کی نہیں ۔ کسی انسان کی کھانسی کی تھی۔"

"کیا!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ۔

★

چند لمحے تک وہ فرزانہ کی طرف دیکھتے رہے ۔ آخر فرزانہ نے کہا :

"ان دونوں کے علاوہ اندر ضرور کوئی شخص موجود ہے ۔ آخر اس عورت کو اس کی موجودگی چھپانے کی کیا ضرورت تھی ۔ اگر خاوند گھر میں تھا تو وہ اس سے ہمیں ملا سکتی تھی۔ کیوں ابا جان آپ کیا کہتے ہیں؟"

"اگر تمھارے کانوں نے دھوکا نہیں کھایا تو پھر یہ واقعی عجیب بات ہے۔"

"ہوں! اسی لیے میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ اس گھر سے نکلنے کا کوئی اور دروازہ تو نہیں ہے۔"

"ابھی دیکھ لیتے ہیں۔" محمود نے پُر جوش انداز میں کہا

اور ساتھ والی گلی میں داخل ہو گیا ۔ تاکہ مکان کی دوسری سمتوں کا جائزہ لے سکے ۔ دو منٹ بعد اس نے واپس آ کر کہا :

"مکان سے نکلنے کا بس ایک یہی دروازہ ہے۔"

"تب تو ہم اسی وقت اس بات کو چیک کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ۔ آؤ۔"

"میرا خیال ہے ۔ فرزانہ کو وہم ہو گیا ہے ۔ اس عورت کو اپنے خاوند کی موجودگی کو چھپانے کی آخر کیا ضرورت تھی۔"

فاروق نے منہ بنایا ۔

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ۔ دیکھ لینے میں حرج نہیں۔" فرزانہ نے کندھے اچکائے ۔

انسپکٹر جمشید نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گئے ۔ دوسرے ہی لمحے انھوں نے دستک دے ڈالی ۔ دروازہ پھر چراغ بی بی نے کھولا اور ان کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی :

"کیا آپ اپنی کوئی چیز بھول گئے ہیں؟"

"جی نہیں ۔ ہم اپنا ایک عدد وہم دور کرنا چاہتے ہیں، میری بچی کا کہنا ہے کہ وہ آواز چوہوں کی نہیں، کسی انسان کے کھانسنے کی تھی۔"

"کسی انسان کے کھانسنے کی۔ نہیں جناب۔ ان کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔ یہی ہم بھی اسے کہتے ہیں، لیکن یہ نہیں مانتی۔ اب فیصلہ یہ ہوا ہے کہ دیکھ لیتے ہیں۔ لہٰذا آپ مہربانی فرما کر ہمیں دیکھنے کی اجازت دے دیں۔"

"عجیب بات ہے۔ آخر اس کی کیا ضرورت ہے۔" چراغ بی بی نے کہا۔

"ضرورت ہے یا نہیں۔ بس آپ اجازت دے دیں۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ میں بتانا بھول گئی تھی۔" اس نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"جی۔ کیا بتانا بھول گئی تھیں؟"

"یہ کہ۔ ہمارے ہاں میرے خاوند کے بیمار بھائی آئے ہوئے ہیں۔ وہ اندرونی کمرے میں بستر پر لیٹے ہیں۔"

"اوہ۔ تو یہ بات تھی۔ واقعی یہ بات آپ کو پہلے ہی بتا دینی چاہیے تھی۔ لیکن آپ نے نہیں بتائی۔ اب ہم بچی کے چچا سے مل کر ہی جائیں گے۔"

"لیکن کس لیے؟"

"اس معاملے میں کئی الجھنیں شروع ہو گئی ہیں۔ مہربانی فرما کر ان الجھنوں میں اضافہ نہ کریں۔"

"بہت بہتر۔ آئیے۔" اس نے تنگ آ کر کہا۔

وہ سب اندرونی کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں ایک شخص چادر اوڑھے لیٹا تھا۔

"رومانہ کے چچا۔ ذرا دیکھیے تو کون آیا ہے۔"

چراغ بی بی کی آواز سن کر بھی اس کے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی۔ آخر چراغ بی بی نے آگے بڑھ کر چادر الٹ دی۔

انھوں نے دیکھا۔ پکے رنگ کا ایک آدمی سو رہا تھا۔

"رومانہ کے چچا۔ اٹھیے۔" چراغ بی بی نے یہ کہہ کر اسے زور سے ہلایا۔

"ہوں۔ کون۔ کیا ہے۔" وہ بڑبڑا اٹھا۔

"یہ۔ لوگ آپ سے ملنے آئے ہیں۔ یہ وہی ہیں۔ جنھوں نے ہماری مدد کی ہے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ ان کا شکریہ ہم کس طرح ادا کر سکتے ہیں۔"

"آپ کی تعریف۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں۔ میں حمید فاخر ہوں۔"

"اور آپ رومانہ کے چچا ہیں۔ کیوں ٹھیک ہے؟"

"بالکل ٹھیک۔"

"گویا یہ گھر آپ کا نہیں۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"آپ کہاں رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟"

"میں ۔ میں انصار پورہ میں رہائش پذیر ہوں ۔ ایک دفتر میں بطور چپراسی ملازم ہوں۔"

"ہوں! مکان کا پتا اور دفتر کا نام؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مکان نمبر ۱۰۱ ۔ جنگلات کے محکمے میں ملازم ہوں ۔ ہمارا دفتر اے جی روڈ پر ہے۔"

"شکریہ ۔ محمود ۔ ان کا نام اور دونوں پتے نوٹ کر لو۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا۔

"کیا آپ ہم پر کسی قسم کا شک کر رہے ہیں؟" چراغ بی بی نے غمگین آواز میں کہا۔

"شک کرنے کا موقع خود آپ نے دیا ہے۔"

"ہاں! مجھ سے غلطی ہوئی۔"

رومانہ دروازے سے لگی کھڑی تھی ۔ اب اس کے آنسو تھم گئے تھے ۔

"اچھا ۔ تب تو آؤ چلیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"آپ کا اطمینان ہو گیا سر؟" حمید فاخر بولا۔

"ہاں ۔ بالکل ہو گیا۔" انھوں نے کہا اور کمرے کے دروازے

کی طرف بڑھے ۔ ایسے میں فاروق دھڑام سے گرا ۔ وہ اٹھتے ہی بھنا کر پلٹا ۔ دوسرے بھی اس کے گرنے پر حیران تھے:

"آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" فاروق نے رومانہ سے کہا ۔

"کیسا؟"

"آپ نے ٹانگ اڑائی تھی۔"

"نہیں ۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ۔ آپ کا اپنا قدم غلط پڑا تھا اور میرے پیروں سے الجھ گیا تھا۔" لڑکی نے روتے ہوئے کہا ۔

"ارے ارے ۔ تو اس میں رونے کی کیا بات ہے؟"

"رونا اس بات پر آ رہا ہے کہ آپ نے بلا وجہ مجھ پر الزام لگا دیا۔"

"اوہ ۔ مجھے معاف کر دیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا ۔

"کوئی بات نہیں ۔ اس لڑکی کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے ۔ یہ بھی نہیں دیکھتی کہ ان لوگوں نے ہم پر احسان کیا ہے۔" چراغ بی بی بولی ۔

"ہم ۔ مجھے بہت افسوس ہے۔"

"خیر ۔ کوئی بات نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور وہ باہر کی طرف چل پڑے ۔ گھر سے باہر نکلنے کے بعد فاروق نے نفرت زدہ

انداز میں کہا:

"جھوٹی کہیں کی۔"

"تو پھر اس نے جان بوجھ کر اڑایا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"ہاں بالکل۔ میں نے بالکل ٹھیک قدم اُٹھایا تھا۔"

"تب پھر۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ وہ کیا؟"

"یہ کہ یہ لڑکی۔ علیحدگی میں ہم سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔" انھوں نے سرد آواز میں کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

کیا!!!

رات تاریک تھی۔ ایسے میں تین سائے گلی میں داخل ہوئے اور ایک مکان کی طرف بڑھے:

"لیکن ہم اندر کس طرح داخل ہوں گے۔" فاروق کی سرگوشی سنائی دی۔

"کسی نہ کسی طرح تو داخل ہونا ہی پڑے گا۔" محمود نے کہا۔

"اور یہ مصیبت فاروق کی وجہ سے آئی۔" فرزانہ بولی۔

"میری وجہ سے کیوں۔ نہ وہ ٹانگ اڑاتی۔ نہ میں گرتا اور نہ ابا جان یہ اندازہ لگاتے کہ وہ الگ رہ کر ہمیں کچھ بتانا چاہتی ہے۔ اور نہ ابا جان ہماری یہ ڈیوٹی لگاتے کہ ہم اندر داخل ہو کر اس سے مُلاقات کریں۔"

"میں نے ابھی تک ایک بات نہیں بتائی۔"

"تم سو باتیں بھی نہ بتاؤ تو ہم تمھارا کیا کر لیں گے۔"

فاروق بولا۔

"لیکن وہ بات میں اب تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔" محمود مسکرایا۔

"تب پھر مجبوری ہے۔ سن لیں گے۔" اس نے کندھے اُچکائے۔

"جب میں مکان کا چاروں طرف سے جائزہ لینے گیا تھا۔ اس وقت میں نے ایک پائپ کو چھت تک جاتے دیکھا تھا۔"

"ایسی کی تیسی ایسے پائپوں کی۔ جو چھتوں تک جاتے ہیں، احمق کہیں کے۔" فاروق بھنا اُٹھا۔

"شوق سے پائپوں پر غصہ اُتارو۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"خیر خیر۔ نبٹ لوں گا۔" فاروق نے پاؤں پٹخے۔

"کس سے۔ پائپوں سے۔"

"نہیں۔ تم دونوں سے۔"

"ضرور نبٹ لینا، لیکن پہلے پائپ پر چڑھ لو۔"

وہ مکان کی پچھلی طرف پہنچ گئے۔ یہاں واقعی ایک پائپ اوپر تک جا رہا تھا۔ فاروق نے جوتے اُتارے اور پائپ پر چڑھنے لگا۔

"اوپر جا کر نیچے اُترنا اور صدر دروازہ کھول دینا۔"

"اچھی بات ہے۔ اور تم کھڑے باتیں بناتے رہنا۔" اس

نے جل بھن کر کہا۔

"شاباش۔ اچھے بچے لڑتے نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"مجھے غصہ نہ دلانا۔ ورنہ اوپر سے ہی چھلانگ لگا دوں گا۔"

"اپنے ہی ہاتھ پیر توڑو گے۔" محمود نے منہ بنایا۔

آخر فاروق اوپر پہنچ گیا، پھر وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ چند سیکنڈ کے انتظار کے بعد وہ دروازے کی طرف چل پڑے، کیوں کہ فاروق کی طرف سے کچھ جواب نہ ملنے کا مطلب یہی تھا کہ زینہ کھلا مل گیا تھا اور وہ دروازے کی طرف جا رہا ہے۔

دروازے پر پہنچے ہی تھے کہ وہ کھل گیا۔ ساتھ ہی فاروق کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"ہم سے بڑا بے وقوف بھی کوئی نہیں ہو گا۔"

"خبردار! یہ بات تم اپنے بارے میں ضرور کہ سکتے ہو۔ ہمارے بارے میں نہیں۔"

"پہلے سن تو لو۔ فیصلہ پھر کرنا کہ میرے ساتھ تم بھی بے وقوف ہو یا نہیں۔"

"ضرور سناؤ، لیکن ذرا آہستہ آواز میں بات کرو۔ کیا رومانہ کے ساتھ اس کے ماں باپ اور چچا کو بھی جگاؤ گے۔" محمود نے جل بھن کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ وہ نہیں جاگیں گے۔ ہاں تو سنو۔ جس وقت میں اس دروازے پر پہنچا اور چٹخنی گرانا چاہی۔ تو میں ایسا نہیں کر سکا۔"

"کیا کہا۔ تم ایسا نہیں کر سکے۔ تب پھر دروازہ کس طرح کھولا؟"

"میں نے دروازہ کھولا ہی نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

"نہیں، لیکن ہو سکتا ہے۔ میری بات سن کر تمہارا دماغ چل جائے۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"دروازہ پہلے ہی کھلا ہوا تھا۔" اس نے یک دم کہا۔

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ بولے۔ ساتھ ہی وہ اچھلے بھی۔

★

"کیا کہہ رہے ہو بھئی؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ ہم چاہتے تو اس دروازے کے ذریعے ہی اندر داخل ہو سکتے تھے۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔"

"اس کا مطلب ہے۔ وہ لوگ رات سوتے وقت دروازہ بند کرنا بھول گئے۔"

"جی نہیں۔ وہ باہر کا تالا لگانا بھول گئے۔ یا پھر انہوں نے جان بوجھ کر نہیں لگایا۔" فاروق بولا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟"

"یہ کہ اندر کوئی بھی نہیں ہے۔ مکان خالی پڑا ہے۔ اب تو مان لو کہ ہم بہت بڑے بے وقوف ہیں۔"

"بے وقوف ہو گے تم خود۔" محمود نے کہا اور تیزی سے اندر کی طرف بڑھا۔

"احتیاط سے۔ وہ اپنے قدموں کے نشانات چھوڑ گئے ہوں گے اور انگلیوں کے بھی۔" فرزانہ نے اسے خبردار کیا۔

اب وہ احتیاط سے اندر داخل ہوئے۔ محمود نے سوئچ بورڈ ٹٹول کر روشنی کی۔ مکان واقعی خالی پڑا تھا۔ خالی مکان کے دروازے پر تالا لگا کر وہ کیا کرتے۔

مکان میں چند بے کار چیزوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"اب انکل اکرام کو تکلیف دینا پڑے گی۔ نشانات اٹھوانا بہت ضروری ہے۔"

"تو پھر جا کر فون کر آؤ نا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! جانا ہی ہوگا۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔

"مزے میں رہتی ہو تم۔ نہ پائپ پر چڑھنا پڑتا ہے اور نہ فون کرنے جاتی ہو۔" فاروق جھنا کر بولا۔

"ترکیبیں تم بتا دیا کرو۔ یہ کام میں کر لیا کروں گی۔" اس نے بھی فوراً جواب دیا۔

"اب زیادہ پھولو نہیں۔"

"پھولیں ہمارے دشمن۔ ہم بغیر پھولے ہی بھلے۔" فرزانہ مسکرائی۔

جلد ہی محمود واپس آیا:

"انکل اکرام علے کو لے کر آرہے ہیں۔"

"ابا جان کو بھی ان لوگوں کے فرار کی اطلاع دے دینی چاہیے تھی۔"

"صبح دے دیں گے۔ میں نے سوتے میں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔"

دوسرے دن ناشتے کے وقت یہ خبر انھوں نے انسپکٹر جمشید کو سنائی۔ انھوں نے سن کر ذرا بھی حیرت ظاہر نہ کی تو تینوں بہت حیران ہوئے۔

"آپ کو سن کر حیرت نہیں ہوئی۔"

"بالکل نہیں۔ ہاں افسوس ضرور ہوا۔"

"افسوس کس بات پر؟"

"اس بات پر کہ میں نے رات اس مکان کی نگرانی پر کسی کو مقرر کیوں نہ کیا۔ اب ان کو تلاش کرنا پڑے گا۔"

"جی ہاں! یہ تو ہے۔ لیکن آپ نے ان کے بارے میں اندازہ کیا لگایا ہے؟"

"یہ کہ وہ فراڈ لوگ ہیں۔ اس طرح لوگوں کو ٹھگتے پھرتے ہیں۔ دیکھو نا۔ ایک گھنٹے کے اندر انھوں نے ہم سے چالیس ہزار کے قریب روپے ٹھگ لیے۔ جب کہ بڑے سے بڑا افسر پورا ماہ کام کر کے بھی اتنی تنخواہ نہیں لیتا ہوگا۔"

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" محمود نے سر ہلایا۔

"ٹھگی والی بات تو خیر سمجھ میں آتی ہے، لیکن ہم شکل لڑکیوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"اگر رئیس احمد خاکوانی یہ کہتے کہ ان کے ہاں دو لڑکیاں پیدا ہوئی تھیں۔ ایک ان میں سے گم ہو گئی تھی۔ یا اغوا کر لی گئی تھی۔ تب تو ہم اس پہلو پر غور کر سکتے تھے۔ ان حالات میں بھلا ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"لیکن ابا جان! اس قدر مشابہت بھی تو حلق سے نہیں اترتی۔"

"اللہ کے کارخانے میں یہ بات ناممکن پھر بھی نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اس کا مطلب ہے، ہمیں بس ان کو تلاش کر کے قانون کے حوالے کرنا ہے۔" محمود بولا۔

"اس کے علاوہ ان سے اپنے روپے بھی وصول کرنے ہیں تاکہ وہ کسی اصل ضرورت مند کے کام آسکیں۔"

"بلکہ انھوں نے نہ جانے کتنے لوگوں کو اب تک اس طریقے سے لوٹا ہے۔ ان کی رقوم بھی جہاں تک ہو سکا، واپس دلوائیں گے۔"

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ ارے۔ یہ تو ہم بھول ہی گئے۔" فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"ہم حمید فاخر کے بارے میں معلوم کرنا بھول گئے۔ اس نے اپنا پتا انصار پورہ بتایا تھا اور دفتر اے جی روڈ پر۔"

"وہ ان دونوں جگہوں پر نہیں ملے گا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"پھر بھی ابا جان۔ ہمیں معلوم تو کرنا چاہیے۔"

"ضرور معلوم کرو۔ میں تمھیں نہیں روکتا۔"

"آؤ بھئی چلیں۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"لیکن اس میں آؤ بھئی چلیں کی کیا ضرورت ہے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"تو پھر۔ کس چیز کی ضرورت ہے۔ تم بتا دو۔" محمود نے کاٹ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"یہ کام تو ہم بذریعہ فون بھی کر سکتے ہیں۔"

"نہیں۔ یوں مزا نہیں آئے گا۔ آؤ۔" محمود بولا۔

تینوں گھر سے نکلے اور موٹر سائیکلوں پر بیٹھ کر انصار پورہ پہنچے۔ مکان نمبر ۱۱۰ تلاش کرنے میں کوئی خاص دقت نہیں ہوئی، لیکن دستک کے جواب میں ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا:

"جی فرمائیے۔" اس نے انھیں قدرے حیران ہو کر دیکھا۔

"حمید فاخر صاحب سے ملنا ہے۔"

"میں ہی حمید فاخر ہوں۔" اس نے کہا۔

"جی۔ کیوں مذاق کرتے ہیں۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"مذاق۔ کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"اوہ۔ تو آپ واقعی مذاق نہیں کر رہے۔"

"نہیں۔ آخر میں آپ لوگوں سے مذاق کیوں کرنے لگا۔" اس نے برا مان کر کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ہمیں معاف فرمائیے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"ویسے آپ کسی اور حمید فاخر کو جانتے ہیں؟"

"جی نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھہریے۔۔ پہلے حُلیہ سُن لیں۔ ہو سکتا ہے۔ اس شخص کا کوئی اور نام بھی ہو۔" یہ کہُ کر محمود نے حمید فاخر کا حُلیہ دُہرا دیا۔

ادھیڑ عُمر آدمی حُلیہ سُن کر سوچ میں گم ہو گیا۔ آخر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا:

"نہیں بھئی۔ بالکل نہیں۔"

اب انھوں نے اے جی روڈ پر واقع دفتر کی راہ لی۔ دفتر کے انچارج تک وُہ جلد ہی پہنچ گئے اور پھر ساری بات سُن کر اس نے کہا:

"میں متعلقہ ہیڈ کلرک کو بلواتا ہُوں۔"

جلد ہی ہیڈ کلرک اندر داخل ہوا۔

"ہمارے پاس حمید فاخر نام کا کوئی آدمی بطورِ چپراسی ملازم ہے؟" انچارج نے پُوچھا۔

"جی حمید فاخر۔ نہیں جناب۔ اس نام کا تو کوئی شخص بھی ملازم نہیں۔"

"اوہ!" اُن کے منہ سے نکلا۔

باہر نکل کر انھوں نے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا:

"اس کا مطلب ہے۔ اس نے بالکل جھوٹ بولا تھا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اور اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ وُہ رومانہ کا چچا نہیں، بلکہ والد ہی تھا۔" فارُوق بولا۔

"اب سوال یہ ہے کہ چراغ بی بی اس کی موجودگی کو کیوں چھپا رہی تھی۔" محمود نے سوچ میں گم لہجے میں کہا، پھر چونک کر بولا:

"اوہو۔ ضرور یہی بات ہے۔ اسے یہ خوف ہوگا کہ کہیں اسے پہچان نہ لیا جائے۔"

"پہچان نہ لیا جائے۔ گویا وُہ کوئی پُرانا مُجرم ہے۔ یا پھر اشتہاری مُجرم۔۔ اور پولیس کے پاس اس کا ریکارڈ بھی موجود ہے۔ ہمیں اس لائن پر کام کرنا ہوگا۔ آؤ۔"

وُہ سیدھے اکرام کے پاس پہنچے۔

"ہم پُرانے ریکارڈ کے ماہر کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ایک مجرم کی تلاش ہے۔"

"تمھارا مطلب حمید فاخر سے ہے۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں! اس کا حُلیہ ہم سے سُن لیں، ہو سکتا ہے، وُہ میک اَپ میں رہتا ہو۔ اس صُورت میں مشکل ہو گی۔"

لیکن کوشش کرنا ہمارا فرض ہے۔" یہ کہ کر محمود نے اکرام کو حلیہ بتایا۔ وہ سن کر سوچ میں ڈوب گیا۔ اور آخر اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا :

"نہیں۔ میرے ذہن میں اس حلیے کا کوئی آدمی ریکارڈ پر نہیں۔ ضرور اس نے چہرے میں کوئی تبدیلی کر رکھی ہے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ تم ریکارڈ کھول کر بیٹھ جاؤ اور ایک ایک تصویر کو غور سے دیکھنا شروع کر دو، اس کام میں وقت تو ضرور لگے گا، لیکن شاید کوئی تصویر ایسی نظر آ جائے جو اس چہرے سے ملتی جلتی ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم یہ کام کریں گے۔ اتنی دیر میں آپ ہمارا ایک کام اور کرا دیں۔"

"وہ کیا؟"

"شکور پورہ میں مکان نمبر ۹۱ کب سے ان کے زیرِ استعمال تھا۔"

"اچھی بات ہے۔ یہ کوئی کام نہیں۔" اس نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ریکارڈ کی تصاویر میں گم ہو چکے تھے۔ وہ ایک ایک تصویر دیکھتے چلے گئے۔ اس کام میں انہیں دو گھنٹے لگ گئے۔

آخر ایک تصویر پر ان کی نظریں جم گئیں۔

"غور سے دیکھو۔ مجھے تو یہ وہی نظر آتا ہے۔ بس مونچھوں کا فرق ہے۔ اس تصویر میں مونچھیں نہیں ہیں اور اس کے چہرے پر مونچھیں تھیں۔"

اسی وقت اکرام اندر داخل ہوا :

"ہاں بھئی۔ کام بنا؟"

"یہ تصویر ہمیں اس کی معلوم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے، ہمارا خیال غلط ہو، لیکن امید بہت ہے۔ مونچھوں کا فرق ہے۔"

"اس کے چہرے پر مونچھیں تھیں؟"

"جی ہاں! آپ کو بتایا تو تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔ مونچھیں بعد میں رکھی جا سکتی ہیں۔ یہ شیدا گوبی ہے۔ ایک اناڑی چور۔"

"جی۔ اناڑی چور۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں بھئی۔ اس نے جب بھی چوری کی۔ پکڑا گیا۔ کبھی کامیاب نہیں ہو سکا۔ ایک دو بار اگر کامیاب ہوا ہو گا تو اس کا پولیس کو علم نہیں۔ آخری بار اسے پچھے سات ماہ کی سزا ہوئی۔ آخری بار آج سے بائیس تیئیس سال پہلے پکڑا گیا تھا۔ رہا ہونے کے بعد پھر نظر نہیں آیا۔"

"گویا بائیس سال بعد اب نظر آیا ہے۔" محمود بولا۔

"بائیس سال بعد" فرزانہ بڑبڑائی۔

"کیوں۔ تمہیں کیا ہوا۔ کیا کوئی مجرم بائیس سال بعد نظر نہیں آسکتا؟"

"نظر آنے کو کیا ہے۔ نظر آنے کو تو کچھ بھی نظر آسکتا ہے" فاروق نے منہ بنایا۔

"ان کی بیٹی بیس سال کی ہے۔ گویا اس کے آخری بار رہا ہونے کے دو تین سال بعد پیدا ہوئی" فرزانہ نے کہا۔

"تو پھر۔ اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"رئیس احمد خاکوانی کی بیٹی کی عمر بھی قریباً اتنی ہی ہے"

"تو پھر۔ اس سے بھی کیا ہوتا ہے؟"

"پتا نہیں۔ مجھے یہ سب کچھ بہت عجیب ضرور معلوم ہو رہا ہے" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"انکل! ہم اسے کہاں تلاش کر سکتے ہیں؟"

"اس کا پورا ریکارڈ پڑھ لو۔ پولیس نے اسے کس کس جگہ سے گرفتار کیا۔ اس وقت یہ کہاں رہتا تھا۔ کس کس سے اس کے تعلقات تھے۔ یہ تفصیلات نوٹ کرنے کے بعد اس کی تلاش کی مہم شروع ہو سکتی ہے۔"

"ہوں! آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ شکور پورہ کے مکان کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟"

"وہ صرف چھ ماہ پہلے کرائے پر لیا گیا تھا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"مالک مکان کا بیان ہے کہ میاں، بیوی اور ایک ان کی لڑکی۔ ان تینوں نے چھ ماہ پہلے مکان کرائے پر لیا تھا، کرایہ باقاعدگی سے ادا کرتے رہے۔"

"چلو چھٹی ہوئی" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ ہم شیدے کا سراغ تو لگا ہی لیں گے۔"

انھوں نے پورے ریکارڈ کا مطالعہ کیا، ضروری باتیں نوٹ کیں اور پھر وہاں سے روانہ ہوئے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ابا جان عملی طور پر کیس سے بالکل الگ ہو گئے ہوں۔"

"چلو اچھا ہے۔ ہمیں کچھ کام دکھانے کا موقع ملے گا۔ ان کی موجودگی میں تو ہم دب کر رہ جاتے ہیں۔"

ان کی موٹر سائیکلیں ایک پرانی بستی میں داخل ہوئیں اور پھر ایک ٹوٹے پھوٹے مکان کے سامنے رک گئیں۔ بائیس تیئس سال پہلے شیدا یہاں رہتا تھا۔ محمود نے دستک دی تو ایک بہت بوڑھے آدمی نے دروازہ کھولا اور چندھیائی ہوئی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا:

"کیا بات ہے بچو؟"

"آپ شیدے کے والد تو نہیں ہیں؟" محمود نے اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! میں ہی اس بدنصیب کا باپ ہوں؟"

"بدنصیب۔ جی کیا مطلب۔ ہم تو اس کی تلاش میں ہیں؟"

"تم اس کی تلاش میں کیوں ہو؟"

"ہمیں ان سے ایک ضروری کام ہے؟" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"مدت ہوئی۔ میں نے اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں سنی۔ میں نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔"

"اس کی چوریوں کی وجہ سے؟"

"ہاں! میں نے اسے بہت سمجھایا، لیکن وہ چوریوں سے باز نہ آیا۔ آخر میں نے اسے گھر سے نکال دیا۔"

"گویا آپ کو کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے؟"

"ہاں! بالکل نہیں معلوم؟"

"اس کی شادی آپ نے کی تھی؟"

"نہیں۔ خود ہی کی ہو گی۔ مجھے نہیں معلوم؟"

"اچھا بابا۔ بہت بہت شکریہ۔ اب ہم چلیں گے۔"

"تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ اس سے کیا کام آ پڑا ہے؟" بوڑھا بولا۔

"آپ کا بیٹا اب بھی جرائم سے باز نہیں آیا۔"

"ہوں! میں جانتا ہوں۔ باز آنے والا ہوتا تو میرا کہنا مان لیتا۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ جائے جہنم میں۔" بوڑھے نے کہا اور دروازہ بند کر لیا۔

وہ واپس مڑے۔

"باپ بیٹے میں بہت مشابہت ہے، اس کا مطلب ہے۔ حمید فاخر ہی شیدا ہے۔ اور خالد ایاز بھی یہی شخص ہے۔"

"چلو۔ اتنا تو معلوم ہوا۔ اب ہمارے پاس شیدے کے بارے میں جو معلومات ہیں۔ ہم ان کی بنیاد پر زیادہ اعتماد سے کام کر سکیں گے۔" محمود بولا۔

"ہمارا اگلا قدم کیا ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"سرائے بالم۔ اس سرائے میں اس کا بہت اٹھنا بیٹھنا تھا۔ سرائے کی مالک ایک عورت تھی۔ شاید اب بھی وہی عورت اس کی مالک ہو اور اس کے بارے میں کچھ بتا سکے۔" فرزانہ بولی۔

سرائے کے سامنے وہ موٹر سائیکلوں سے اترے۔ اندر داخل ہوئے تو ایک موٹے جسم والے نوجوان آدمی پر نظر پڑی۔

وہ کاؤنٹر پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اندر صحن میں کوئی نہیں تھا۔
ان کے قدموں کی آواز سن کر چونک اٹھا:

"کک۔ کون۔ اوہ آپ ہیں۔ کمرے چاہییں۔ بہت نفیس کمرے مل سکتے ہیں آپ کو۔ دو کمرے آج ہی خالی ہوئے ہیں۔" اس نے کاروباری انداز میں کہا۔

"شکریہ۔ کمروں کی بات بعد میں ہو گی۔ پہلے ہم شیدے کی بات کریں گے۔"

"شش۔ شیدا۔ شش۔" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"شش شیدا نہیں۔ صرف شیدا۔"

"اچھا۔ کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟"

"وہ ہمیں کہاں ملے گا؟"

"آپ کس شیدے کی بات کر رہے ہیں جناب؟" اب اس نے خود کو سنبھال لیا اور حیران ہو کر بولا۔

"بائیس تیئس سال پہلے شیدے نام کا ایک شخص یہاں اکثر آتا تھا۔ ہم اس کی بات کر رہے ہیں۔ کہو تو تصویر بھی دکھائیں اس کی۔"

"ہاں! دکھا ہی دیں۔ تاکہ معلوم تو ہو۔"

محمود نے جیب سے تصویر نکالی اور اس کے سامنے کر دی، تصویر ریکارڈ سے نکالی گئی تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی

موٹے کا رنگ اڑ گیا:

"اوہو! آپ اس شخص کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔"
اس نے جلدی سے کہا۔

"اور تم کس کے بارے میں سمجھے تھے؟"

"میں کسی اور شیدے کا خیال کر بیٹھا تھا۔"

"خیال کر بیٹھنے سے پہلے اجازت لے لینی چاہیے تھی۔"
فاروق نے منہ بنایا۔

"جی۔ کیا مطلب؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"کچھ نہیں۔ آپ ہمیں اس شیدے کے بارے میں بتائیں۔"
محمود بولا۔

"مجھے اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں کہ یہ واقعی اس زمانے میں یہاں آیا کرتا تھا۔"

"لیکن تم کون ہو۔ اس سرائے کی مالک تو کوئی عورت تھی۔"

"میں اس کا بیٹا ہوں۔ اس وقت میں چھوٹا تھا۔"

"اور آپ کی ماں کہاں ہے؟"

"ماں۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! ماں کہاں ہے؟"

"ماں نے۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں ہاں۔ کہو۔"

"لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"ایک بہت اہم معاملہ ہے۔ جلدی بتائیں۔"

"ماں نے سرائے چھوڑ کر سول ہسپتال میں ملازمت کر لی تھی۔ اب معلوم نہیں کہاں ہے۔ سرائے اس دن سے میرے قبضے میں ہے۔"

"لیکن ان کو اچانک سول ہسپتال میں ملازمت کرنے کا خیال کیوں کر آ گیا؟"

"سرائے ان دنوں بہت کم چل رہی تھی۔ گزارا مشکل سے ہو رہا تھا۔ بس انھوں نے ہسپتال میں ملازمت کر لی۔"

"لیکن انھوں نے آپ کو کیوں چھوڑ دیا؟ آپ تو ان کے بیٹے تھے۔"

"ہاں! اس پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔ اور آج بھی میں غمگین ہو جاتا ہوں ماں کو یاد کر کے۔ پتا نہیں۔ وہ مجھے کیوں چھوڑ گئیں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اچھا بہت بہت شکریہ۔ ارے ہاں۔ آپ کی والدہ کا نام کیا ہے؟"

عین اسی وقت ایک شخص سرائے میں داخل ہوا اور تیز تیز

قدم اُٹھاتا ان کے پاس سے گزرتا چلا گیا۔ وہ اس کی صرف ایک جھلک دیکھ سکے۔

وہ پھر موٹے کی طرف متوجہ ہوئے:

"آپ کا نام کیا ہے جناب؟"

"راجا" اس نے کہا۔

"مسٹر راجا۔ آپ کی والدہ کا نام کیا ہے؟"

"جی۔ چراغ بی بی۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

غور کی دعوت

سول ہسپتال کے ریکارڈ میں انھیں بہت وقت صرف کرنا پڑا، تب کہیں جا کر چراغ بی بی کی فائل مل سکی۔ فائل کے مطالعے کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ چراغ بی بی نے بطور نرس سول ہسپتال میں ملازمت کی تھی۔ نرسنگ کا کورس اس نے کسی زمانے میں کیا تھا۔ اس کی ملازمت صرف تین سال جاری رہی، پھر اسے ملازمت سے نکال دیا گیا۔ نکالنے کی وجہ بھی درج تھی۔ ہسپتال کے سپرنٹنڈنٹ کو اس کی دیانت پر شک تھا۔ لہٰذا اس نے اسے ملازمت سے نکال دیا۔

"گویا ہمیں سپرنٹنڈنٹ سے بھی ملنا ہو گا۔ اور وہ اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"پروا نہیں۔ اپنے گھر میں تو مل ہی جائیں گے۔" محمود نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

انھوں نے اس کا نام اور پتا معلوم کیا اور روانہ ہو گئے۔

"میرا خیال ہے۔ ہماری تفتیش زوروں پر جا رہی ہے۔ اور جب ہم اس کی تفصیلات ابا جان کو سُنائیں گے تو وہ یقیناً خوش ہوں گے۔" فرزانہ بولی۔

"بھئی۔ یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں اُمید کی جا سکتی ہے۔"

سابقہ سپرنٹنڈنٹ کا نام انور عزیز تھا۔ انھوں نے حیرت کے عالم میں ان کا استقبال کیا:

"آپ کے چہرے کچھ جانے پہچانے سے ہیں۔"

"لیکن جناب۔ ہم تو آپ سے پہلی بار مُلاقات کر رہے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"ہاں! اس میں بھی کوئی شک نہیں۔" وہ بولے۔

"خیر۔ ہم اپنا تعارف کرا دیتے ہیں۔ ہم محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ انسپکٹر جمشید کے بچے۔"

"آپ ٹھیک سمجھے۔"

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔ میں اخبارات میں آپ لوگوں کی تصاویر دیکھتا رہتا ہوں اور آپ کے بارے میں پڑھتا بھی رہتا ہوں۔ بہت خوشی ہوئی مل کر۔" ایک بار پھر انھوں نے ان سے ہاتھ ملائے۔

"شکر ہے اللہ کا۔ آپ کو خوشی تو ہوئی۔ ورنہ ہم سے مل کر عام طور پر لوگوں کو خوشی نہیں ہوتی۔" فاروق بولا۔

"جرائم پیشہ لوگوں کو نہیں ہوتی ہو گی۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

"یہی سمجھ لیں۔ اس وقت ہم چراغ بی بی کے سلسلے میں آئے ہیں۔"

"چراغ بی بی۔ میں سمجھا نہیں۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آج سے بائیس تیئس سال پہلے کی بات ہے۔ سول ہسپتال میں ایک نرس چراغ بی بی نام کی ملازم تھی۔ اسے ملازم ہوئے ابھی صرف تین سال ہوئے تھے کہ آپ نے اسے ملازمت سے نکال دیا۔"

"ہم۔ میں نے ملازمت سے نکال دیا۔" ان کے لہجے میں بلا کی حیرت در آئی۔

"جی ہاں! آپ کے ہسپتال کا ریکارڈ یہی کہتا ہے۔"

"آپ لوگوں کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے تو کسی کو بھی ملازمت سے نہیں نکالا تھا۔"

"اس صورت میں ہسپتال کا ریکارڈ غلط ہو گا۔ ہمیں غلط فہمی ہونے کا کیا سوال۔"

"ہوں! یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ تو آپ ریکارڈ دیکھ کر آ رہے ہیں۔"

"جی ہاں! بالکل۔"

"اچھا تو پھر مجھے یاد کرنے دیں۔"

"ضرور یاد کریں۔ ہم آپ کو اس عورت کا حلیہ بتا سکتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ حلیہ ضرور بتائیں۔" وہ بولے۔

محمود نے چراغ بی بی کا حلیہ دہرا دیا۔ ڈاکٹر صاحب سوچ میں گم ہو گئے۔ آخر بولے:

"ٹھیک ہے۔ مجھے یاد آ گیا۔ ایک عورت کو نکالا گیا تھا، لیکن ایسا میں نے اپنے نائب کے کہنے پر کیا تھا۔ اس کی رپورٹ انھوں نے کی تھی۔ میں نے تو صرف دستخط کیے تھے۔ وہ اس کے کام سے مطمئن نہیں تھے۔"

"لیکن جناب فائل میں لکھا ہے۔ کہ آپ کو اس کی دیانت پر شک ہو گیا تھا۔"

"یہ میں نے اپنے نائب کے کہنے پر لکھا ہو گا۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہمیں آپ کے نائب سے ملنا ہو گا۔"

"بات کیا ہے؟ یہ آپ مجھے بتا دیں۔ نائب سے میں آپ کو ملوا دیتا ہوں۔" انھوں نے مسکرا کر کہا، مسکراہٹ عجیب سی تھی۔

"اس مسکراہٹ کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔"

"پہلے یہ بتائیں - معاملہ کیا ہے؟"

محمود نے مختصر الفاظ میں معاملہ دُہرا دیا - اس پر انھوں نے میز کے پائے میں لگا بٹن دبا دیا - فوراً ہی ملازم اندر داخل ہوا:

"ارشد کو بلاؤ"۔

"جی بہتر!" اس نے کہا اور چلا گیا۔

"یہ ارشد صاحب کون ہیں؟"

"میرا بیٹا - یہی ان دنوں میرا نائب تھا - اب موجودہ سپرنٹنڈنٹ ہے - ایمان داری سے اسے جنون کی حد تک لگاؤ ہے"۔

"تب تو آپ مبارک باد کے مستحق ہیں"۔ محمود نے کہا۔

"شکریہ"۔ وہ بولے۔

جلد ہی قدموں کی آواز سنائی دی -

"آؤ ارشد - ان سے ملو - یہ ہیں انسپکٹر جمشید کے بچے"۔

"ارے!" وہ اچھل پڑا، پھر اس نے محمود اور فاروق سے ہاتھ ملائے -

"ارشد! تمھیں چراغ بی بی یاد ہے؟"

"جسے میں نے نکلوا دیا تھا"۔

"ہاں! وہی"۔

"بہت اچھی طرح یاد ہے"۔ اس نے فوراً کہا۔

"اچھا! تم نے اسے کیوں نکلوایا تھا؟ تمھیں اس پر کچھ شک تھا"۔

"مہربانی فرما کر شک کی وضاحت کر دیں"۔

"میرا خیال ہے - وہ ردّی کی ٹوکری میں ہسپتال کے پھل اور دوسری چیزیں چرا لیا کرتی تھی - میں نے اسے کئی بار ٹوکری اُٹھائے اپنے کوارٹر کی طرف جاتے دیکھا تھا"۔

"کیا آپ نے کبھی ٹوکری اُٹھوائی بھی تھی؟" فرزانہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"نہیں - میں نے یہ بات پسند نہیں کی تھی کہ وہ میرے سامنے مجرموں کی طرح کھڑی ہو - بس میں نے اس کو ملازمت سے نکال دینے کی سفارش کی تھی، کیوں کہ ردّی کی ٹوکری کو اپنے کوارٹر میں لے جانے کا کوئی جواز ہی نہیں پیدا ہوتا"۔

"ہوں - وہ اپنے کوارٹر میں تنہا رہتی تھی؟"

"نہیں - اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی"۔

"آپ نے کبھی اس کے شوہر کو بھی دیکھا تھا"۔

"یاد نہیں پڑتا"۔

"ملازمت سے نکالے جانے کے بعد آپ نے پھر اسے کبھی دیکھا؟"

"نہیں - آج آپ کے ذکر کرنے پر یاد آیا"۔ وہ بولا۔

"اچھا جناب — بہت بہت شکریہ!"

وہ ان سے رخصت ہو کر باہر نکلے —

"ہماری تفتیش اب بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے —
اب میں ایک بار پھر ہسپتال جانا پسند کروں گا۔" محمود جلدی
جلدی بولا —

"چلیے جناب — ہمارا کیا ہے۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

اس بار وہ ہسپتال کے ریکارڈ روم میں پہنچے — چراغ بی بی
کی فائل پھر نکلوائی — اس کی ملازمت کا کل عرصہ نوٹ کیا،
اب وہ پیدائش کے وارڈ میں آئے — اس عرصے کا پیدائش
کا ریکارڈ نکلوایا — اور پھر رجسٹر میں اس دوران پیدا ہونے
والے تمام بچوں کے سامنے نرس کا نام دیکھتے چلے گئے۔
جہاں جہاں چراغ بی بی کا نام بطور نرس دایہ کے نظر آیا،
اس خانے میں بچے کے والدین کا نام بھی پڑھتے چلے گئے —

پھر ایک جگہ ان کی نظریں اٹک گئیں — آنکھیں حیرت سے
پھیل گئیں —

★

"یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں بھئی؟" محمود بولا —

"میرا خیال ہے — اب ہم کیس کی تہ تک پہنچنے والے ہیں۔"
فرزانہ نے فوراً کہا —

"اللہ کا شکر ہے، کیس کی تہ تو نظر آنے کا امکان پیدا
ہوا — میں تو سوچ رہا تھا — شاید اس کیس کی تہ ہمیں نظر
آئے گی ہی نہیں۔"

"چپ رہو — صرف اور صرف غور کرو۔"

"فکر نہ کرو — میں باتیں کرنے کے دوران بھی غور کر سکتا
ہوں۔"

"لیکن ہم غور کرتے ہوئے — باتیں نہیں کر سکتے۔" فرزانہ نے
منہ بنایا —

"اپنی اپنی قسمت ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اب تو چراغ بی بی — اس کے شوہر شیدے اور رومانہ
کو تلاش کرنا بہت ہی ضروری ہو گیا ہے، لیکن اتنے پاپڑ
بیلنے کے بعد بھی ہم ان کا قطعاً کوئی سراغ نہیں لگا سکے۔"
محمود نے کہا —

"کوئی بات نہیں — ہم سراغ لگا کر رہیں گے — وہ بچ
نہیں سکتے۔"

کچھ دیر غور کرنے کے بعد — آخر انھوں نے گھر جانے
کا فیصلہ کیا — اب تمام حالات اپنے والد کو سنانے اور ان

سے مشورہ لینے کی وہ شدت سے ضرورت محسوس کر رہے تھے۔

انسپکٹر جمشید گھر آ چکے تھے۔ ان کے گرد آلود بال دیکھ
کر مسکرائے:

"شاید بہت دوڑ دھوپ کرنا پڑی ہے۔"

"جی ہاں! لیکن افسوس۔ ہم ابھی تک ان تینوں کا سراغ
نہیں لگا سکے؛ تاہم کچھ بہت اہم باتیں معلوم کی ہیں۔" محمود
نے کہا۔

محمود شروع ہو گیا۔ وہ غور سے سنتے رہے۔ آخر محمود
کے خاموش ہونے پر انسپکٹر جمشید بولے:

"واہ بھئی۔ پھر تو تم نے پورا کیس حل کر لیا۔"

"جی نہیں۔ پورا کہاں حل کر لیا۔ ابھی ان کا سراغ لگانا
باقی ہے۔"

"لیکن میں کہتا ہوں کہ تم سراغ لگا چکے ہو۔"

"جی۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔ ہم ان کا سراغ لگا
چکے ہیں۔" فاروق بھونچکا رہ گیا۔

"ہاں بالکل!"

"لیکن۔ ابا جان۔ اگر ہم ان کا سراغ لگا چکے ہیں تو ہمیں
معلوم کیوں نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔"

"اس لیے کہ تم نے غور نہیں کیا۔ اگر غور کر لیتے تو پھر

بات نہ کہتے۔ خیر۔ میں تمھیں غور کی دعوت دیتا ہوں۔
ں گھنٹے تک غور کر لو اور مجھے بتا دو کہ وہ کہاں ہیں۔"
پکٹر جمشید نے کہا۔

"ابا جان! آپ غور کی دعوت تو دیتے ہی رہتے ہیں،
ی کسی اور چیز کی دعوت نہیں دے سکتے۔" فاروق نے مسمسی
ورت بنائی۔

"نہیں۔ اس لیے کہ ان حالات میں غور کی دعوت ہی
سب سے زیادہ مناسب رہے گی۔" وہ مسکرائے۔

تینوں غور کرنے لگے۔ شروع سے لے کر اس وقت
ک جہاں جہاں گئے تھے۔ جس جس سے ملے تھے۔ ان سب
پر غور کرنے لگے۔ اس طرح ایک گھنٹا گزر گیا۔ انسپکٹر جمشید
کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"کیوں بھئی۔ غور کی دعوت اڑا چکے یا نہیں؟"

"جی ہاں۔ بس ابھی ابھی فارغ ہوئے ہیں۔" محمود نے
کہا۔

"ہوئے ہو گے تم فارغ۔ میں ابھی مصروف ہوں۔"
فاروق بولا۔

"لیکن ایک گھنٹا پورا ہو چکا ہے۔" فرزانہ نے چمک
کر کہا۔

"شاید اس لیے چمک رہی ہو کہ کسی نتیجے پر پہنچ چکی ہو؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔ تمہیں جلن ہو رہی ہے کیا؟" فرزانہ مسکرائی۔

"جلتا ہے میرا جوتا۔" فاروق نے تلملا کر کہا۔

"گویا فرزانہ کی جوتی کا پورا پورا ساتھ دینے لگا ہے۔" محمود نے نتیجہ نکالا۔

"اچھا۔ اب تم بھی دخل اندازی کرو گے۔"

"وقت تیرے کی۔ آخر شروع ہو ہی گئے نا۔ ابا جان میں نتیجہ نکال چکا ہوں۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"اور میں بھی۔" فرزانہ فوراً بولی۔

"آئے بڑے عقل مند کہیں کے۔ اپنے سے زیادہ کسی کو عقل مند نہیں سمجھتے۔"

"اوہو اچھا۔ تم ذرا بتاؤ۔ تم کس نتیجے پر پہنچے ہو؟" فرزانہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"میں منہ سے صرف ایک لفظ نکالوں گا۔ وہ لوگ وہیں ہوں گے، ان شاء اللہ۔" فاروق مسکرایا۔

"بہت خوب۔ تب پھر فاروق پہلے تم ہی بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو گئے۔

"ضرور ابا جان، کیوں نہیں۔ وہ تینوں صرف اور صرف سرائے بالم میں ملیں گے۔"

"اوہ!"

اُن کے مُنہ سے ایک ساتھ نکلا۔ اُنھوں نے حیران ہو کر فاروق کی طرف دیکھا۔

گندی عادت

"خیر تو ہے۔ آپ لوگ مجھے اس طرح گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

"اور کیا کریں۔ تم نے ہمارے منہ کی بات چھین لی۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"قسم لے لو۔ جو میں نے کچھ چھینا ہو۔ امی جان۔ آپ نے مجھے کچھ چھینتے دیکھا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔" وہ فوراً بولیں۔

"محمود، فرزانہ۔ تم نے سُن لیا ہے۔ امی جان نے کیا کہا ہے۔"

"ہاں! سُن چکے ہیں۔"

"تو پھر اپنے الفاظ واپس لو۔"

"دے دو بھئی۔ دے دو۔ ہمارے کام آجائیں گے۔"

"چھوڑو بھئی۔ آؤ مجرموں کو گرفتار کرنے چلیں۔" انسپکٹر

جمشید بولے۔

"تو کیا پہلے تصدیق نہیں کریں گے۔"

"اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر۔ ایسا کرتے ہیں۔ کہ پہلے تم تینوں وہاں پہنچو۔ اور سرائے کی تلاشی لو، پھر میں پہنچوں گا، اگر تم تینوں ان تینوں کو برآمد نہ کر سکے تو پھر یہ کام میں کروں گا۔"

"بہت بہتر۔ آؤ بھئی چلیں۔"

تینوں ایک بار پھر سرائے پہنچے۔ راجا اسی طرح اونگھتا نظر آیا:

"ہیلو مسٹر راجا۔ کیا آپ سارا دن بس اونگھتے ہی رہتے ہیں؟" محمود نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"ن۔ نہیں۔ تو۔" وہ بڑبڑا اٹھا، پھر چونک کر بولا:

"اوہو۔ آپ لوگ پھر آگئے۔"

"جی بس۔ کیا کرتے۔ مجبور تھے۔ آنے پر۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"مجبور تھے۔ کیا مطلب؟" وہ چونک اُٹھے۔

"جی ہاں! ہم لوگ دراصل ایک نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"کیسا نتیجہ اور اس نتیجے کا مجھ سے کیا تعلق؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"نتیجہ یہ کہ آپ نے ہم سے غلط بیانی کی ہے۔"

"کیا مطلب۔ میں نے کیا غلط بیانی کی ہے؟"

"یہ کہ آپ کو اپنی والدہ۔ شیدے اور رومانہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔"

"ہاں! میں نے یہی بتایا تھا، لیکن اس میں غلط بات کیا ہے اور آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میں نے غلط بیانی کی ہے۔"

"ہم اپنے ذہن سے کام لے کر یہ بات کہنے کے قابل ہوئے ہیں۔" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"وضاحت کریں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"یہ کہ وہ تینوں۔ جن کی ہمیں تلاش ہے۔ یہیں ہیں۔ یعنی سرائے میں چھپے ہوئے ہیں۔"

"تب آپ کا اندازہ بالکل غلط ہے۔" وہ مسکرایا۔

"جی نہیں۔ غلط نہیں ہے۔ ہمیں سو فی صد یقین ہے۔"

"میں جو کہ رہا ہوں کہ وہ یہاں نہیں ہیں۔"

"اچھا۔ اگر وہ یہاں نہیں ہیں تو ہمیں تلاشی لے لینے دیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ میں سرائے کی تلاشی کیوں دوں۔"

"ہمارا خیال ہے کہ تین جرائم پیشہ اندر چھپے ہوئے ہیں۔"

"یہ اچھی زبردستی ہے۔"

"اگر آپ نے تلاشی نہ دی تو ہمیں پولیس کو فون کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں بھی آپ کو تلاشی دینا ہو گی۔ اب سوچ لیں۔ کیا بات منظور ہے۔"

"آپ پولیس کی دھمکی دے رہے ہیں۔"

"نہیں۔ یہ دھمکی نہیں، مشورہ ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ آپ تلاشی لے لیں، لیکن میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔ آپ شوق سے ہمارے ساتھ رہیں۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور انھیں سرائے کا ایک ایک کمرہ دکھانے لگا۔ انھوں نے پوری سرائے دیکھ لی، لیکن ان تینوں کا کہیں نام و نشان تک نظر نہیں آیا۔

"اب تو آپ کا اطمینان ہو گیا۔" راجا بولا۔

"اطمینان کی بات جانے دیں۔ اطمینان تو ہمیں اسی صورت میں ہو گا جب وہ تینوں مل جائیں گے۔"

"تب پھر۔ آپ ہی بتائیں۔ وہ کہاں ہیں۔"

"اندر ہی ہیں۔"

"آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ تو چکے ہیں۔"

"ہم دیکھ چکے ہیں، لیکن ابھی ایک بار اور دیکھیں گے۔"

فاروق مُسکرایا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" اس نے بھنّا کر کہا۔

اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سُنائی دی۔ راجا نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا، وہ بھی ادھر مُڑے۔ انسپکٹر جمشید چلے آ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر ایک بھرپور مُسکراہٹ تھی۔

راجا پھٹی پھٹی آنکھوں سے انھیں دیکھتا رہ گیا۔ اس وقت انھوں نے صاف محسوس کیا، وہ انھیں اچھی طرح پہچانتا تھا:

"آ۔ آ۔ آپ۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں مسٹر راجا۔ یہ میرے ہی بچّے ہیں۔ اب تلاشی میں لوں گا۔" وہ مسکرائے۔

"لیکن ابّا جان۔ مسٹر راجا آپ کو کس طرح پہچانتے ہیں؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"جرائم پیشہ لوگ مجھ سے ہمیشہ بچ کر رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بچ کر رہنے کی کوشش وہی کر سکتا ہے جو مجھے پہچانتا ہو، لہٰذا یہ لوگ میری شکل صورت کو اخبارات وغیرہ میں دیکھ کر اپنے ذہنوں میں بٹھا لیتے ہیں۔"

"لیکن جناب! میں جرائم پیشہ نہیں ہوں۔" راجا نے جلدی سے کہا۔

"اگر ہم نے مسٹر شیدے، اس کی بیوی اور بچّی کو یہاں سے برآمد کر لیا تو پھر کیا جواب ہو گا تُمھارا؟"

"پھر بھی میں جرائم پیشہ ثابت نہیں کیا جا سکوں گا۔"

"اور مجرموں کو قانون کی نظروں سے چھپا کر رکھنے کے جرم کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"شیدا صاحب میرے والد ہیں اور چراغ بی بی والدہ۔ وہ ہرگز مجرم نہیں ہیں اور اگر ہیں تو یہ بات میرے علم میں نہیں ہے۔ بھلا میں اپنے ماں باپ کے یہاں رہنے پر کس طرح اعتراض کر سکتا ہوں، جب کہ اس سرائے کی اصل مالک میری والدہ ہے۔ اور انھوں نے ہی مجھے اس جگہ کا مالک بنایا ہے۔"

"بھئی واہ۔ ہم تو آپ کو سیدھا سادا آدمی خیال کر بیٹھے تھے۔ آپ تو چھپے رستم نکلے۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

"شکریہ۔ مہربانی۔" اس نے جواب دیا۔

"خیر۔ یہ بعد میں دیکھیں گے کہ تم ان کے جرم میں برابر کے شریک ہو یا نہیں۔ پہلا کام تو ان کو یہاں سے برآمد کرنا ہے۔"

"ضرور کوشش کر لیں۔ آپ کے یہ تینوں ہونہار پہلے ہی تلاشی لے چکے ہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اور اب میری باری ہے۔" انھوں نے کہا، پھر ان کی طرف مڑے:

"تم تینوں یہیں ٹھہرو۔ ان کے ساتھ۔"

"کیوں جناب۔ کیا آپ تلاشی کے دوران مجھے ساتھ نہیں رکھیں گے؟" راجا نے جلدی سے کہا۔

"تو تم ساتھ رہنا چاہتے ہو؟"

"ہاں! بالکل۔ کیا آپ کو اعتراض ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ اعتراض کیسا۔ آؤ بھئی۔ اب تم بھی میرا ساتھ دے سکتے ہو۔" وہ مسکرائے۔

ایک بار پھر تلاشی شروع کی گئی۔ انسپکٹر جمشید نے پوری سرائے کو بہت باریک بین نظروں سے دیکھا۔ سرائے کے دو دروازے تھے۔ ایک صدر دروازہ، دوسرا پچھلا دروازہ۔ پچھلے دروازے کے ذریعے کوئی شخص کسی وقت بھی فرار ہو سکتا تھا۔ کیوں کہ وہ دروازہ گھنی جھاڑیوں کی طرف کھلتا تھا۔ آخر جب تلاشی مکمل ہو گئی اور وہ تینوں نہ ملے تو انھوں نے کہا:

"اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ تینوں سرائے میں نہیں ہیں، لیکن یہ بات میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم لوگوں کی آمد سے پہلے وہ یہاں موجود ضرور تھے۔

جب انھوں نے خطرہ محسوس کیا تو پچھلے دروازے سے نکل گئے۔ اب وہ کسی اور جگہ چھپے ہوئے ہیں۔ آپ کیا کہتے ہیں مسٹر راجا؟"

"میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔"

"گویا تفتیش کے راستے میں رکاوٹ ڈالنا چاہتے ہو۔" انھوں نے کہا۔

"نہیں! جب وہ یہاں موجود ہی نہیں تھے تو پھر میں کس طرح مان لوں۔"

"اچھا تو پھر میں ثبوت پیش کیے دیتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ضرور۔ شوق سے۔" اس نے بھنّا کر کہا۔

"شیدے کی فائل کو میں نے غور سے پڑھا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اس میں ایک بہت گندی عادت ہے اور اس گندی عادت سے وہ کسی طرح بھی پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ وہ یہ کہ جب سگریٹ پینے کے بعد اس کا ٹکڑا فرش پر یا سڑک پر گراتا ہے۔ تو اسے پیروں سے مسلتا ضرور ہے۔ مسلے بغیر وہ نہیں رہ سکتا۔ اور اسی لیے۔ اگر اس کے سامنے ایش ٹرے رکھا ہو، تب بھی وہ سگریٹ کے ٹکڑے کو ایش ٹرے میں نہیں بجھائے گا، کیوں کہ

لے آئے ہیں اور یہ کہ ہم ان کو ضرور تلاش کریں گے۔ لیکن ایک سگریٹ کا ٹکڑا تمھاری نظر سے بھی رہ گیا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"یہ۔ یہ غلط ہے۔ میں نے تمام ٹکڑے اُٹھا کر۔۔۔"

اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ غلطی کا احساس ہو گیا تھا، لیکن تیر تو کمان سے نکل چکا تھا۔

"کہو کہو۔ رُک کیوں گئے۔ یہی بات تو میں تمھارے منہ سے نکلوانا چاہتا تھا۔"

"نہیں۔ ٹکڑوں والی بات تو سرے سے ہی غلط ہے، جب میرے ماں باپ یہاں ٹھہرے ہوئے تھے ہی نہیں، تو پھر سگریٹ کے ٹکڑوں کا کیا سوال۔"

"ہوں۔ لیکن ابھی تم کہ رہے تھے۔ میں نے تمام ٹکڑے اٹھا کر باہر پھینک دیے تھے۔"

"نہیں۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا۔" راجا نے جلدی سے کہا۔

"خیر آؤ۔ وہ ٹکڑا تمھیں دکھا دوں۔ اس کے بعد دیکھتے ہیں، تم کیا کہتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

اور وہ ان سب کو لیے لیٹرین میں آئے۔

اس میں ڈال کر ٹکڑے کو پیروں سے نہیں مسلا جا سکتا۔"

یہاں تک کہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"تو پھر۔ کیا سرائے میں کسی جگہ مسلے ہوئے ٹکڑے ملے ہیں۔" فرزانہ نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے۔ تم لوگوں نے ایسے ٹکڑے نہیں دیکھے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"نن۔ نہیں۔ بالکل۔"

"اور اگر دیکھے بھی ہوں گے تو توجہ نہیں دی ہو گی۔ یہ خیال کیا ہو گا کہ یہ کام راجا کا ہے۔"

"جی۔ جی نہیں۔ میرا خیال ہے۔ ہمیں کوئی ایسا ٹکڑا نظر آیا ہی نہیں۔" محمود نے کہا۔

"لیکن۔ میں ایک ایسا ٹکڑا دیکھ چکا ہوں۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ ٹکڑا مسٹر راجا کی نظروں سے کس طرح بچ گیا۔"

"جی کیا مطلب۔" راجا چونکا۔

"باقی ٹکڑے تو تم نے اٹھا کر باہر پھینک دیے تھے۔ اور مسلے جانے کے نشانات بھی صاف کر دیے تھے۔ تاکہ ہم کوئی سراغ نہ لگا سکیں۔ آخر انھوں نے تمھیں بتایا ہو گا کہ وہ کس طرح ہم سے تقریباً چالیس ہزار روپے ٹھگ کر

محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی لیٹرین کو دیکھا تھا۔ لیکن دروازے پر ہی رُک کر صرف ایک نظر۔ اور پیچھے ہٹ گئے تھے۔

لیکن انسپکٹر جمشید کی عادت تھی۔ ہر چیز کو غور سے دیکھنے کی۔

"وہ دیکھو۔ پانی کے ٹینک کے نیچے سگریٹ کا ٹکڑا مسلا پڑا ہے۔"

انھوں نے دیکھا — وہاں واقعی ایک ٹکڑا پڑا تھا — راجا کا رنگ اُڑ گیا۔

"مسٹر راجا — اب کیا کہتے ہو؟"

"دراصل — میری بھی یہی عادت ہے — میں بھی سگریٹ ایش ٹرے میں نہیں بجھاتا۔ نیچے پھینک کر پیروں سے مسلتا ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"پہلے تو تم نے یہ بیان نہیں دیا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"اس وقت میں بھول گیا تھا۔"

"اور اس وقت بھی تم ایک بات بھول رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بھول رہا ہوں — کیا چیز؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"تمھارے کاؤنٹر پر ایک عدد ایش ٹرے موجود ہے — اور اس میں سگریٹ کے ٹکڑے بھی موجود ہیں۔" انسپکٹر جمشید کی شوخ آواز گونجی —

"ارے!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا اور راجا کا چہرہ تاریک ہو گیا —

جُرم کی کہانی

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے، پھر انسپکٹر جمشید بولے:

"اب مسٹر راجا کو حوالات بھیجنا ہوگا - کمرۂ امتحان کی سیر کرانا ہوگی، تب جا کر یہ اُگلیں گے کہ وہ کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

"نن - نہیں - میں ایک پُر امن شہری ہوں۔" وہ چلّایا -

"پُر امن شہری مجرموں کو پناہ نہیں دیتے۔"

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے، اس بات کا؟"

"اچھا - تو ابھی ثبوت کی بھی ضرورت ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا -

"کیوں نہیں - ثبوت کے بغیر آپ مجھے کس طرح گرفتار کر سکتے ہیں؟"

"اچھا تو پھر ثبوت یہ رہا میرے ہاتھ کی کلائی پر۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمھاری ساری گفت گو ٹیپ ہو چکی ہے - اور ایک ایک لفظ سنا جا سکتا ہے۔"

"کیا!" وہ دھک سے رہ گیا - اور انسپکٹر جمشید فون کی طرف بڑھ گئے -

جلد ہی اکرام وہاں اپنے ماتحتوں کو لے کر پہنچ گیا، لیٹر بکس سے انگلیوں کے نشانات بھی اُٹھائے گئے اور راجا کو کمرۂ امتحان میں پہنچایا گیا - ابھی اسے شکنجے میں کسنا شروع ہی کیا گیا تھا کہ وہ بول اُٹھا:

"م - میں بتاتا ہوں - سب کچھ بتاتا ہوں۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے -

"وہ تینوں ڈاک بنگلے میں چھپے ہوئے ہیں۔"

"ڈاک بنگلے میں - کون سے ڈاک بنگلے میں؟"

"شمالی سڑک پر - ایک بہت پرانا ڈاک بنگلہ ہے - کھنڈر نما۔"

"اوہ اچھا، لیکن اگر وہ وہاں نہ ملے تو پھر یہ شکنجہ دوبارہ کس دیا جائے گا۔"

"وہ وہیں ملیں گے - جاتے وقت انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ کوئی خاص بات ہو تو بنگلے پر پہنچ کر اطلاع دوں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ ہم اسی وقت وہاں جاتے ہیں۔
آؤ بھئی۔ اور ہاں۔ اسے پوری طرح نگرانی میں رکھا جائے
کوئی اس سے ملاقات نہ کرنے پائے۔"

"بہتر۔" اکرام بولا۔

اور پھر وہ ڈاک بنگلے کی طرف روانہ ہوئے۔ اس کے
نزدیک پہنچ کر پہلے گھیرا ڈالا گیا، پھر سپیکر پر اعلان کیا
گیا:

"خبردار۔ تم گھیرے میں لے لیے گئے ہو۔ فرار ہونا
ناممکن ہے۔ اس لیے خود کو قانون کے حوالے کر دو، ہاتھ
اوپر اٹھا کر باہر نکل آؤ۔"

یہ اعلان تین بار دہرایا گیا، لیکن بنگلے میں خاموشی
ہی رہی۔ آخر وہ پستول ہاتھوں میں لیے آگے بڑھے۔
اور اندر داخل ہو گئے۔

ڈاک بنگلہ خالی پڑا تھا؛ تاہم جگہ جگہ سگریٹ کے ٹکڑے
مسلے پڑے تھے:

"گویا وہ یہاں سے بھی فرار ہو گئے۔ ان پر خوف بری
طرح سوار ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ بہت برا ہوا۔ اب ان کی تلاش ایک مسئلہ بن
جائے گی۔"

"نہیں خیر۔ مسئلہ تو نہیں بننے دیں گے ہم۔ راجا کو ضرور
دوسرا ٹھکانا معلوم ہوگا۔"

"دھت تیرے کی۔ اب پھر شہر جا کر اس سے پوچھنا
ہوگا۔"

"لیکن میرا خیال ہے۔ اب وہ کچھ نہیں بتا سکے گا۔"
فرزانہ بولی۔

"کیوں۔ یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو؟"

"اس طرح کہ اس بار یہ تینوں اس کو کچھ بتائے بغیر فرار
ہوئے ہیں۔ البتہ ایک بات ضرور قابلِ غور ہے۔" فرزانہ کا
لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

"وہ کیا؟" فاروق جلدی سے بولا۔

"سرائے میں راجا کے علاوہ کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔
کیا اس نے ایک آدمی بھی ملازم نہیں رکھا ہوا ہے۔ سارا
کام خود ہی کرتا ہے۔ اور سرائے میں کوئی مسافر ٹھہرا ہوا
بھی نظر نہیں آیا۔ آخر یہ کیسی سرائے ہے؟"

"ہوں۔ بات ٹھیک ہے۔ آؤ۔ ہم ایک بار پھر سرائے جائیں
گے۔" انسپکٹر جمشید نے سمجھ جانے والے انداز میں کہا۔

وہ سرائے کے سامنے گاڑیوں سے اترے اور اندر داخل
ہوئے۔ کاؤنٹر کے قریب کالے رنگ کا ایک آدمی بیٹھا اونگھ

رہا تھا۔ قدموں کی آواز سُن کر اس نے سر اُٹھایا اور پھر ان
کی طرف بغور دیکھے بغیر بولا:

"نہیں جناب۔ سرائے میں کوئی کمرہ کرائے پر دینے
کے لیے نہیں ہے۔ سرائے کے مالک نے کاروبار بند کر
رکھا ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا، پھر انسپکٹر جمشید بولے:

"کیا تم سرائے کے مُلازم ہو؟"

"ہاں!"

"تھوڑی دیر پہلے ہم یہاں آئے تھے۔ اس وقت تو تم
یہاں تھے نہیں۔"

"میں کام گیا ہوا تھا۔"

"ہوں۔ کہاں گئے تھے؟"

"کیوں۔ آپ کو اس سے کیا؟"

"ڈاک بنگلے گئے تھے شاید۔" انسپکٹر جمشید چبھتی ہوئی آواز
میں بولے۔

"کیا مطلب؟" وہ زور سے اُچھل پڑا۔

انسپکٹر جمشید سرائے کے صحن میں کھڑی موٹر سائیکل کی طرف
متوجہ ہو گئے۔ اس کا انجن ابھی تک گرم تھا۔

"میں نے ڈاک بنگلے کے پاس موٹر سائیکل کے ٹائروں

کے تازہ نشانات دیکھے تھے۔ یہاں بھی ایک عدد گرم انجن
والی موٹر سائیکل موجود ہے۔ گویا تم ان کو خبردار کرنے
گئے تھے۔ کہ وہ وہاں بھی نہ ٹھہریں اور کہیں اور چلے جائیں،
کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"آپ۔ آپ کون ہیں اور کیا کہ رہے ہیں، میری سمجھ
میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا۔"

"حالاں کہ تم ایک ایک بات اچھی طرح سمجھ رہے ہو۔"

"کیا۔ کیا سمجھ رہا ہوں میں؟"

انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر اسے گدی سے پکڑ لیا۔

"یہ۔ یہ۔ یہ کیا؟" وہ ہکلایا۔

"بتاؤ۔ شیبا، چراغ بی بی اور رومانہ کہاں ہیں۔ ورنہ
میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔"

"م۔ میں نہیں جانتا۔" اس نے بمشکل کہا۔

"تم جانتے ہو۔" انسپکٹر جمشید پُر زور انداز میں بولے۔

"ن۔ نہیں۔ اچھا۔ میری گردن چھوڑ دیں۔ بتاتا ہوں۔"

"اسی حالت میں بتاؤ۔ گردن بعد میں چھوڑوں گا۔"

"وہ۔ وہ اب میرے گھر میں ہیں۔"

"اوہ۔ تو پھر چلو ہمارے ساتھ۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"ساجو"

ساجو کو لے کر وہ ساجو کے گھر پہنچے۔ دستک بھی ساجو کے ذریعے دلوائی گئی۔ دستک کے جواب میں اندر سے شیدے کی آواز اُبھری:

"کیا بات ہے ساجو۔ اتنی جلدی کیا کوئی اور بات ہو گئی؟"

"ہاں! جلدی کرو۔ دروازہ کھولو۔" اس نے کہا۔

دروازہ کھل گیا۔ اور اندر موجود شیدا اور چراغ بی بی بُری طرح اُچھل پڑے۔ البتہ لڑکی کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔ اس کے منہ سے نکلا:

"اللہ کا احسان ہے۔ آپ آ گئے۔"

"کیا مطلب؟" محمود، فاروق اور فرزانہ چونکے۔

"یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں بھئی۔ ان کو تو زبردستی جرم کی دلدل میں دھکیلا گیا تھا۔ خیر۔ بیٹھ کر بات کریں گے۔ آؤ۔"

ان سب کو پولیس اسٹیشن لایا گیا، پھر رئیس احمد خاکوانی کو فون کیا گیا۔ وہ آئے تو چہرے پر حیرت کے آثار بھی ساتھ لائے:

"خیر تو ہے جناب۔ مجھے پولیس اسٹیشن کیوں بلایا گیا۔ آپ تو جانتے ہی ہوں گے کہ ہر شریف آدمی پولیس اسٹیشن کے نام سے ہی گھبراتا ہے۔"

"فکر نہ کریں۔ تشریف رکھیں۔ آج میں آپ کو ایک بہت زیادہ حیرت انگیز خبر سناؤں گا۔"

"حیرت انگیز خبر۔ ارے۔ یہ تو وہی لوگ ہیں۔" اس کی نظریں دوہانہ وغیرہ پر جم گئیں۔

"ہاں! ہیں تو یہ وہی لوگ۔ اب سنیے۔ آپ کے ہاں صرف ایک بچی دیگانہ پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ دو بچیاں پیدا ہوئی تھیں۔"

"جی۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" وہ بھونچکا رہ گئے۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

"نہیں جناب۔ میرے گھر میں صرف ایک بچی پیدا ہوئی۔ دوسری بچی یا بچے کی پیدائش سے پہلے ہی میری بیوی فوت ہو گئی تھی۔" انھوں نے کہا۔

"آپ سمجھے نہیں۔ دراصل آپ کے ہاں جڑواں بچیاں پیدا ہوئی تھیں۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے نکلا۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور منہ کھلا رہ گیا۔

☆

چند سیکنڈ سناٹا طاری رہا، پھر انسپکٹر جمشید بولے:

"اس وقت یہ عورت چراغ بی بی ہسپتال میں نرس تھی۔ اس کا خاوند یہ شخص ہے۔ یہ پہلے سے ہی بچے فروخت کرنے کا کاروبار کر رہے تھے۔"

"جی۔ یہ آپ نے کیا کہا۔ بچے فروخت کرنے کا کاروبار۔"

"ہاں! چراغ بی بی سرائے کا کاروبار کرتی تھی۔ وہاں شیدا آیا جایا کرتا تھا۔ یہ ایک ناکام چور تھا۔ اب پتا نہیں سرائے کے کام میں کوئی منافع نہ دیکھ کر چراغ بی بی نے ہسپتال میں ملازمت کرنے کا پروگرام بنایا یا ان دونوں میں سے کسی کے ذہن میں پہلے ہی بچے فروخت کرنے کا پروگرام آگیا تھا۔ جو بھی ہوا ہو۔ چراغ بی بی نے سرائے کی بجائے ہسپتال میں بطور نرس ملازمت اختیار کر لی۔ کورس اس نے کیا ہوا ہو گا۔ اور پھر جس عورت کے گھر میں جڑواں بچے پیدا ہوئے۔ اس نے اس میں سے ایک بچہ غائب کر دیا۔ غائب کرنا ذرا بھی مشکل نہ تھا۔ گندگی کی ٹوکری میں بچے کو رکھ کر ہسپتال سے باہر لے آنا۔ مشکل کام نہیں تھا۔ جب کہ باہر یا اس کے کوارٹر میں اس کا خاوند بھی تیار موجود ہو۔ اس طرح یہ بچوں کو چرا کر ضرورت مند والدین کو فروخت کرتے رہے، لیکن پھر ایم ایس کے

بیٹے ڈاکٹر ارشد کو چراغ بی بی پر شک ہو گیا اور اس نے باپ سے کہہ کر اسے ملازمت سے نکلوا دیا۔ ہم ارشد صاحب سے بھی ملے۔ انھوں نے شک کی ایک وجہ بتائی۔ اور صرف اتنا کہا کہ اسے چراغ بی بی اچھے چال چلن کی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اسے اس کی دیانت پر صرف اس لیے شک ہوا کہ وہ ردی کی ٹوکری اپنے کوارٹر کی طرف لے جاتے دیکھی گئی تھی۔ بس اس نے اسے نکلوا دیا۔

جب چراغ بی بی کو نکالا گیا۔ اس وقت آخری بچی بھی دو ماہ کی تھی۔ آپ کے گھر کا کیس چراغ بی بی نے ہی کیا تھا۔ ریکارڈ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور اس کیس کے بعد اسے ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا۔ دونوں نے اس بچی کو فروخت نہیں کیا۔ اپنے پاس رکھ لیا۔ دوسری طرف ان کا کاروبار بند ہو گیا تھا؛ چنانچہ انھوں نے پھر سرائے سنبھال لی۔ پھر یہ بچی بڑی ہو گئی تو انھوں نے اس کے ذریعے پھر جرائم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خود کو غریب ظاہر کر کے بیٹی کی شادی کے لیے یہ کسی دولت مند اور خیرات کرنے کے معاملے میں بہت مشہور آدمی سے ملتے۔ اور اس سے خاصی رقم ٹھگ لیتے۔ یہ کرائے کے مکان میں رہتے، لیکن ان کا مستقل ٹھکانا سرائے تھا۔ سرائے جو

اب چراغ بی بی نے اپنے بیٹے کو سونپ رکھی ہے۔"

"لیکن۔ آپ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ بیٹا کہاں سے آیا۔"

"شاید یہ چراغ بی بی کے پہلے شوہر سے ہے۔ یا پھر یہ بھی کہیں سے چرایا ہوا ہوگا، کیوں چراغ بی بی صاحبہ؟"

"میرے منہ سے آپ ایک لفظ نہیں اگلوا سکتے۔" اس نے جل کر کہا۔

"اور مجھے ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ ثبوت مکمل ہے۔ تم لوگ بچ نہیں سکتے۔ تمھیں تو ابھی ان بچوں کی تفصیل بھی بتانا ہوگی جو تم نے فروخت کیے ہیں۔"

"یہ۔ یہ سارا منصوبہ اسی چڑیل کا تھا۔ میں تو ایک سیدھا سادا چور تھا۔ اس کے ذہن میں یہ شیطانی منصوبہ آیا تھا۔" شیدا چلا اٹھا۔

"کمینے۔ کتے۔ میرے ذریعے عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اور اب یہ بکواس کر رہا ہے۔" چراغ بی بی گرجی۔

"لیکن میں غلط نہیں کہہ رہا۔ بات یہی ہے۔" شیدا منہ بنا کر بولا۔

"ہوگی۔ تم بھی سزا سے بچ نہیں سکتے۔"

"ہاں! اپنے کیے کی سزا تو بھگتنی ہی ہوگی۔" اس

نے کہا۔

"اس۔ اس کا مطلب ہے۔ یہ۔ یہ میری بچی ہے۔" رئیس احمد خاکوانی ہکلائے۔

"ہاں! اور یہ بے چاری زبردستی اس چکر میں شامل کی گئیں۔ انھوں نے بچنے اور بھاگ نکلنے کی یقیناً کوشش کی ہوگی۔ لیکن نہ تو فرار ہو سکیں اور نہ جرائم کی اس سکیم سے محفوظ رہ سکیں۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں ابا جان۔ کہ انھوں نے اپنی مرضی سے جرم میں حصہ نہیں لیا۔ بلکہ فرار ہونے اور بچنے کی کوشش بھی کرتی رہیں۔"

"اس طرح کہ جب پہلی بار میں نے انھیں دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں شدید الجھن کے آثار تھے۔ جب اس سے ہماری ملاقات ہوئی اور اس نے اپنا نام حمید فاخر بتایا تو اس نے اپنی جیب سے دایاں ہاتھ باہر نہیں نکالا۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی، پھر رومانہ نے فاروق کو چلتے وقت ٹانگ اڑا کر اپنی طرف متوجہ کیا۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ اس کی جیب میں پستول تھا۔ اور ٹریگر پر انگلی تھی۔ نال کا رخ رومانہ صاحبہ کی طرف تھا۔ تاکہ اگر وہ زبان کھولنے کی کوشش کرے تو گولی کا

نشانہ بنا دیا جائے۔"

"ہاں! یہ بات ٹھیک ہے۔ میں عام طور پر پستول کی زد میں رہتی تھی۔ سوتے وقت یہ مجھے کمرے میں بند کر دیتے تھے اور دھمکی یہ دی جاتی تھی کہ اگر میں نے شور کرنے یا کسی کو بتانے کی کوشش کی تو گولی مار دیں گے، جب یہ مدد مانگنے خان رحمان تک پہنچ گئے تو مجھے بہت خوشی ہوئی کیونکہ میں آپ کے اور خان رحمان کے آپس کے تعلقات کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی۔ ان کا پروگرام دراصل خان رحمان تک آنے کا تھا۔ انہوں نے سوچا تھا کہ خان کھلے دل سے ان کی مدد کر دیں گے اور ان کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ جس محلے میں یہ مکان لے کر رہتے۔ وہاں میری شادی کا ذکر ضرور کرتے، تاکہ اگر کوئی شخص مدد کرنے سے پہلے تصدیق کرنا چاہے تو یہ لوگ جھوٹے ثابت نہ ہوں۔"

"ہوں!" ان کے منہ سے نکلا۔

"م۔ میری بچی۔ تت۔ تم نے۔ کس قدر تکلیف دہ زندگی گزاری ہے۔ اور بے قصور ہوتے ہوئے۔ اور میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہ تھا کہ اس دنیا میں میری ایک اور بچی بھی ہے۔ یہ۔ یہ کس قدر عجیب لگ رہا ہے۔

اُف مالک۔ اُف۔" انہوں نے کہا اور اُٹھ کر اپنی بچی سے لپٹ گئے۔ ریحانہ بھی ان کے ساتھ آئی تھی۔ وہ بھی رومانہ کے گلے لگ گئی اور وہاں سسکیاں گونج اُٹھیں۔ ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

"م۔ میں اُلجھن محسوس کر رہی ہوں۔" ایسے میں فرزانہ کی آواز اُبھری۔

"کیسی اُلجھن؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"جی بس یونہی۔ اس کی عادت ہے۔ بات بے بات اُلجھن محسوس کرنے لگتی ہے۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ اب یہاں کوئی اُلجھن باقی نہیں رہی۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"میں کہتی ہوں۔ اُلجھن موجود ہے۔"

"تو بتاؤ نا۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

"رومانہ صاحبہ نے ان لوگوں کی گود میں آنکھ کھولی۔ جرم کے ماحول میں پلی بڑھیں اور بڑی ہوئیں، پھر آخر انہیں جرم سے نفرت کس طرح ہو گئی؟"

"اس کا جواب بھی میں دوں گی۔ انہوں نے مجھے سکول اور کالج میں تعلیم دلوائی ہے۔ تعلیم کے زیور نے مجھے جرم سے نفرت دلا دی۔ اور میں اُلجھن کا شکار ہو گئی۔ ان دونوں سے باقاعدہ بحث کرنے لگی کہ یہ کس قسم کی

زندگی گزار رہے ہیں، لیکن بچپن کر ان کو اپنا ماں باپ بھی سمجھتی تھی — اس لیے کھلم کھلا بغاوت نہ کر سکی — پھر جب انھوں نے میری شادی کے بہانے مال دار لوگوں سے بڑی بڑی رقوم اینٹھنا شروع کر دیں تو میں بپھر گئی — ایسی حالت میں انھوں نے پستول کا سہارا لیا اور دھمکی دی کہ اگر کسی کو بتایا تو مجھے جان سے مار دیا جائے گا۔"

"ہوں! کیا خیال ہے فرزانہ — اب تو تمھارا اطمینان ہوگیا۔"

"ہاں! الجھن دور ہوگئی۔"

"چلو — شکر ہے اللہ کا — ورنہ تمھاری الجھن ہمیں بھی الجھن میں مبتلا کر دیتی اور پھر جو ہم الجھتے تو الجھتے ہی چلے جاتے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

اور وہ اسے گھورنے لگے۔